

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ زَكْرِيَّا صَاحِبُ
رِسَالَةِ

رِسَالَهُ

اِخْتِلَافُ الْأُمَمِ

مُصَنَّفُهُ

حَضْرَتِ اَقْدَسِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ شَيْخِ الْحَدِيثِ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ زَكْرِيَّا صَاحِبُ

یہ معرکہ الآثار اور رسالہ اپنے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے یہ اگرچہ
پانچ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تاہم جو بحثیں مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے
اختلاف کے اسباب کے ذیل میں حضرت اقدس درجۃ اللہ علیہ
نے بیان فرمائی ہیں ان کی انفرادیت اور اہمیت کی ضمانت کے لئے
مصنف کا نام نامی کافی ہے۔ رسالہ دلچسپ ہونے کے ساتھ
استاذہ تلامذہ بلکہ عوام سب ہی کے لئے مفید ہے۔

فہرست مائے مضامین اختلاف الائمہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	جوان کو حالت صوم میں تقبیل کی	۹	تمہید
۱۲	ممانعت اور پوڑھے کو اس کی اجازت	۱۰	وجہ تالیف
	غزوہ کے دوران بعض صحابہ کا	۱۱	دور اول میں
۱۵	روزے سے ہوتا اور دوسرے		اختلاف روایات کی پہلی وجہ ہے
	صحابہ کا اس کے خلاف کرنا۔	۱۲	حضور کے زمانہ میں تحقیق کی صورتیں
۱۳	اختلاف روایات کی دوسری		صحابہ کا مہمل علل دریافت کرنا
۱۴	اور تیسری وجہ		ابن عمر کا اپنے صاحبزادے سے
	حکم خاص کو سمجھ لینا یا اس کا برعکس	۱۲	نہ بولنا
۱۵	کسی کے مرنے پر رونا اور اسمیں		دور واجب میں یا نہیں؟ ابن عمر
	حضرت عائشہ و ابن عمر کا اختلاف	۱۳	سے ایک سوال
	خطبہ کے وقت دو رکعت نفل پڑھنا		مختلف اشخاص کے لئے مختلف احکامات
	بڑی عمر والے کو دودھ پلانا۔	۱۳	کی چند مثالیں
	تاویل مختلف الحدیث (ابن قتیبہ)		ایک نابینا کے لئے ترک جماعت کی
	کی ایک عبارت	۱۳	اجازت اور دوسرے کو ممانعت
۱۸	صحابہ کو حضرت عمر کا کثرت سعیت	۱۳	جو اذان کہے وہی بکیر بھی پڑھے
	سے روکنا۔		حضرت ابو بکر کے تمام مال کو قبول کر لینا
۱۹	اختلاف روایات کی چوتھی وجہ	۱۳	اور دوسرے صحابہ سے انکار کر دینا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	{ نمازی کے سامنے سے گتے یا گدھے کا گزر جانا		{ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل سے صحابہ کے مختلف استنباط
۲۸	اختلاف روایات کی انکھوس وجہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو سنت یا واجب سمجھنے میں اختلاف کرنا		غیر مقلدین کی بے چارگی اختلاف روایات کی پانچویں وجہ ایہ ۲۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو عادت یا سنت پر محمول کرنا
	حدیث اقلوالا سودین تکفیرات اتعالات میں اختلاف کی وجہ حجت کے لئے کن علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے		{ حجتہ الوداع میں مقام بطح میں قیام کرنا اختلاف روایات کی چھٹی وجہ ایہ ۲۳ کسی فعل کی علت میں اختلاف ہونا زمین کو بٹائی پر دینے میں اختلاف
۲۹	اختلاف روایات کی نویں وجہ ایہ ذہن کو تیز کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات اختلاف روایات کی دسویں وجہ ایہ ۳۰ حضور کے طبعی اور سلوک کی ارشادات تھانہ کیے غفل کا حکم شرعاً کو چھوڑنے کا حکم جہاد میں مقتول کا مال قاتل کو ملنا سب سے بہتر صوم داؤدی ہے فردعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے دینی احکام کی دو قسمیں۔		۲۵ اختلاف روایات کی ساتویں وجہ ایہ حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں اختلاف آگ پر پکائی ہوئی چیز سے دھنوکرنا لفظ دھوک کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں اختلاف مسب ذکر اور اس کی وجہ سے دھنوک کا حکم۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<p>آگ کی پتی ہوئی چیز سے دھونڈوٹنا</p> <p>اور اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کا اختلاف۔</p>	۳۷	<p>حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم سے نماز پڑھنے والے اور پانی کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنے والے ہر دو کی تصویب فرمائی۔</p>
۳۳	<p>دور ثانی کی تیسری وجہ سہواً</p> <p>صحابہ سے سہو ہو جانا ان کے عدول کے منافی نہیں۔</p>		<p>بارون رشید کی امام مالکؒ سے ایک درخواست۔</p>
	<p>ماہ رجب کے عمرہ میں عبد اللہ بن اور حضرت عائشہؓ کا اختلاف۔</p>	۳۸	<p>علامہ شعرائی کا ایک اہم مضمون</p> <p>اختلاف روایات کا دوسرا دور</p>
	<p>ہر شخص کو عمل بالمحدث کی اجازت نہیں۔</p>		<p>صحابہ اور تابعین میں اختلاف کی وجہ روایت بالمعنی۔</p>
۳۴	<p>اختلاف روایات کی ایک وجہ اختلاف ضبط بھی ہے اور اس کے نظائر۔</p>		<p>روایت بالمعنی کی ضرورت</p>
	<p>علامہ احناف کثر اللہ انشاء اللہ کا ایک اصول</p>		<p>امام اعظمؒ کا حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی وجہ</p>
۳۶	<p>دور ثانی میں اختلاف روایات کی چوتھی وجہ</p> <p>ظاہری معنی پر حمل</p>	۳۹	<p>احادیث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرنے کے بارے میں صحابہ کے چند واقعات۔</p>
	<p>ایک صحابی کا اپنا کمرہ منہدم کر دینا</p> <p>ابن عمرؓ کا باب النساء سے داخل ہونا۔</p>	۴۰	<p>دور ثانی کی دوسری وجہ</p> <p>کی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہونا</p>
	<p>ابو سعید خدریؓ کا مرتے وقت</p> <p>جدید لباس زیب تن کرنا۔</p>	۴۱	<p>غسل مجہ کے بارے میں ابو سعید خدریؓ اور ابن عباس کا اختلاف۔</p>

امام بخاری کے نزدیک محدث کے لئے چالیس چیزوں کا حصول ضروری ہے
نیم سواریوں کی جماعت سے جگہ

دور ثانی میں اختلاف روایات
کی پانچویں وجہ
کثرت وسائل

قلت وسائل اخلاف کے مرتب ہیں کہ
فقہ حنفی سب مذاہب بالاتر کیوں ہے؟

تاریخ موالید و وفیات ائمہ اربعہ و ائمہ حدیث ۴۸
دور ثانی میں اختلاف روایات
کی چھٹی وجہ

ضعف روایات

شرح اربعین کی ایک عبارت

عمل بالحدیث کے متعلق چھوڑ
محدثین کی تصریحات

دور ثانی میں اختلاف روایات
کی ساتویں وجہ
ظہور کذب

موضوع احادیث کا زور اور
اس کی چند نظریں

ایک واسطہ کا یعنی بن معین اور
امام احمد بن حنبل کے رو بخود انکی طرف
جھوٹی روایات منسوب کرنا۔

دور ثانی میں اختلاف روایات
کی آٹھویں وجہ
معاندین کے تصرفات

حماد بن سلمہ اور معمر کی تصانیف میں
تصرفات

عوام کے سامنے ایسے امور کا ذکر
کرنا جو ان کی عقل سے بالاتر
ہوں فساد عقیدہ کا باعث ہیں

معاندین کے تصرفات کی بنا پر احادیث
سے بے اعتمادی نہیں کی جاسکتی۔ ۹۲

تفسیر اور اختلاف مذاہب ۹۳

مسائل کا اثبات مختلف وجوہ سے ہوتا ہے
حدیث کی تین قسمیں اور ان کی تعریفات
خبر واحد اور اس کی قسمیں

مختلف احادیث میں اگر جمع نہ ہو سکے
تو کیا صورت اختیار کرے۔
تعلیق شخصی کیوں ضروری ہے۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۲	حدیث لا صلوة الا بغتمة الکتاب آیتہ قرآنی فاقترعنا تیسرے عموم کے خلاف ہے۔	۶۷	حدیثین کے نزدیک وجوہ طعن دس سے زائد ہیں۔ عدالت کے متعلق پانچ جروج حافظہ کے متعلق پانچ جروج
۷۲	حدیث القضاہ بشاہد حجتہ نہیں کسی حادثہ مشہورہ میں راوی کا کسی امر کو ذکر کرنا اور بقیہ کو چھوڑ دینا، صحابہؓ کا اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرمانا اور حدیث سے استدلال نہ کرنا۔ راوی کا اپنی روایات کے خلاف فتویٰ دینا یہ سب روایات کی جبروج میں سے ہے۔		چند اور وجوہ طعن میری ایک دیرنیہ خواہش ائمہ مجتہدین نے احادیث کو پرکھنے کے لئے اپنا مستقل معیار قائم کیا ہے
۷۳	غیر مقلدین کا کتمان علم ائمہ کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی وجہ ترجیح میں الروایات ہے بدائیۃ المجتہد کی ایک فصل کا ترجمہ و تھقیص	۷۰	احناف کے بعض اصول احناف کے یہاں اتصال کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ متواتر۔ مشہور خبر واحد اور ان کی تعریفات
۷۳	سبیلین کے علاوہ بدن انسانی سے نہجاست کا نکلنا اور اس میں علماء کے تین مذہب		ہر راوی کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں بحث ثنائی حدیث کے اتصال اور انقطاع کے بارے میں۔ انقطاع کی قسمیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۶	امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعی کا مناظرہ	۷۵	نہیند کا ناقض وضو ہونا نہ ہونا
۸۴	احناف کے نزدیک رادی کا نقیض ہونا باعث ترجیح ہے۔		احد اس میں ائمہ کا اختلاف
۸۳	امام مالکؒ کے یہاں عمل اہل مدینہ باعث ترجیح ہے۔		حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیند کے ناقض وضو ہونے میں دونوں قسم کی روایات ہیں۔
۸۳	مختلف روایات کے درمیان وجوہ ترجیح سو سے زائد ہیں		مس مراۃ اور اس میں ائمہ کی تنقیحات مس کا مشترک الٹا ہونا۔
۸۳	احناف کے نزدیک اوفق بالقرآن ہونا بھی اہم ہے۔	۷۷	آیت قرآنی او لمستم النساء میں مس سے کیا مراد ہے۔
۸۴	احناف کا عدم رفع کی روایات کو راجح قرار دینے کی وجہ		اختلاف ائمہ کی مثال اختلاف اطباء کی سی ہے۔
۸۳	حنفیہ کے یہاں صبح اور عصر کی نماز میں تاخیر افضل ہے	۷۹	تا قیدین حدیث بمنزلہ حراف کے ہیں
	حنفیہ کا وند کے قنوت میں		انواع حدیث میں دقیق بحث معل کی ہے۔
۸۵	اللہم انا نستعینک کو راجح قرار دینا	۸۰	معل کے بارے میں ائمہ حدیث کے خیالات
۸۶	حائتہ الکتاب		ائمہ اجتہادات کا غالب حصہ مشکوٰۃ نبوۃ ہی سے مستنبط ہے۔
			ائمہ محدثین کے لئے باوجود ائمہ ہونے کے فقہ میں تقلید کئے بغیر چارہ نہیں۔

مقدمہ

از مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم شہر مہاجر مدنی قدس سرہ
نعمہ و نصلی علی رسولہ الکریم و آلہ و اصحابہ و اتباعہ و حلقہ للہ فی القیوم
اما بعد - مدرسہ مظاہر علوم سے رمضان ۱۳۴۲ھ میں ایک ماہوار رسالہ ”المظاہر“
محبی و مخلصی مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ و حال مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کی زیر اہانت
مکملنا شروع ہوا تھا اور مولانا موصوف کے شدید اصرار پر اپنی نااہلی اور بے بضاحتی کے باوجود
اختلاف اند پر ایک مضمون موصوف کے شدید اصرار اور تقاضوں پر شروع کیا تھا۔ جب تک
وہ رسالہ جاری رہا تو باوجود مشاغل کے جہوم کے دو چار صفحات ہر ماہ لکھتا رہا لیکن عوارض
اور موانع کی وجہ سے یہ رسالہ تقریباً تیرہ چودہ ماہ بعد بند ہو گیا تو اس ناکارہ کام مضمون بھی بند
ہو گیا۔ اگرچہ بہت سے احباب اور مختلف رسائل کے ایڈیٹران نے بہت ہی شدید اصرار اس
کی تکمیل پر کیا لیکن مولانا جمیل احمد صاحب تو چونکہ مدرسہ کے مدرس تھے ہر وقت پاس رہتے
تھے اس لیے بار بار کے تقاضا پر کچھ لکھا لیتے تھے لیکن رسالہ کے بند ہونے کے بعد سیری و حلوش
اور احباب کے اصرار کے باوجود اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی ارادہ تو انہیں بہت تفصیل اور بہت مضامین لکھنے
کا تھا مگر مشاغل علمی اور تالیفی بڑھتے ہی رہے اس لیے اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔ بعض
احباب نے اس وقت یہ بھی اصرار کیا کہ جتنا ہو گیا ہے اس کو حصہ اول کر کے طبع کر دیا جائے مگر
مضمون چونکہ بہت ہی ناقص تھا اس لیے یہ خیال رہا کہ جب کچھ حصہ اور ہو جائے تو طبع کر دیا جائے
لیکن اب تو اس کی امید بالکل ہی منقطع ہو گئی کہ امراض کی کثرت نے بالکل ہی معذور کر دیا اور لب گور
بیٹھا ہوں ایسے عزیز مولوی محمد شاہد سلمہ اور میرے مدرسے مخلص دوستوں کا اصرار ہوا کہ جتنا لکھا گیا
ہے وہ بھی نسخ سے خالی نہیں۔ ایسے عزیز مولوی شاہد سلمہ اسکو طبع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اللہ
تعالیٰ برکت عطا فرمائے لوگوں کو منتفع فرمائے۔ اور عزیز موصوف کو دلیرین کی ترقی سے نوازے۔ آمین۔
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکل والیہ انیب۔

اختلاف ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حادثاً و مصلیاً۔ عرصہ سے یہ اشکال قلوب سے نکل کر زبانوں تک پر آ رہا ہے کہ ائمہ مجتہدین جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے استدلال فرماتے ہیں تو ان کے مابین اختلاف کیوں ہے بالخصوص مناظروں کی گرم بازاری اور اختلافی مسائل پر عام رسائل کے شیوع نے اس اشکال کی اور بھی زیادہ بُری صورت بنادی، حتیٰ کہ اشکال کرنے والے دو فریق پر منقسم ہو گئے ایک فرقہ ائمہ مجتہدین کے ساتھ بدظنی کے الجھاؤ میں اس قدر پھنس گیا ہے کہ وہ اپنی خوش اعتقادی سے اگر اس بھڑورے نکلنا بھی چاہتا ہے تو اس کے سامنے مجتہدین کے اقوال نص صریح کے خلاف ہونے کا ایسا جال ہوتا ہے کہ وہ اس وجہ سے اس سے نکل بھی نہیں سکتا، دوسرا فریق اس سے بھی کچھ زیادہ ترقی کر چلا ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین سے اگے بڑھ کر خود سبردار و عالم نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں گستاخانہ خیالات جمانے لگا ہے کہ کہیں کچھ ارشاد فرمادیا ہے اور کہیں کچھ اور فرمادیا، اور حقیقی قصود ان اردو تراجم کا ہے کہ بات سمجھنے کے لیے اس کی استعداد اور اس کے مقدمات کا معلوم اور متحضر و ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور یہ مفقود ہو جانے سے صرف الفاظ کا ترجمہ سامنے آکر خلیجان اور اشکال کا سبب بن جاتا ہے اس اختلاف کے ثمرات کی اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ آپس میں فرقہ بندی اور منازعات و خصامات کی نوبت آتی رہتی ہے۔ ایک فریق دھوکہ دے تا ہے تو وہ دوسرے کے نزدیک باطل اور دوسرا فریق نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے نزدیک فاسد از کوۃ، صوم، حج، ہر چیز میں اختلافات بڑھنے لگے اور خصامت کی نوبت پہنچ گئی۔ اس لیے نسبت ضروری ہو کہ اصل اختلافات کا منبئ ظاہر کیا جائے۔ اور ابتدائے زمانہ سے

اختلاف کی وجہ بتلا کر اس پر منہ کیا جائے کہ نہ درحقیقت روایات کا اختلاف ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عالی بارگاہ میں شبہ کی گنجائش ہو نہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی کی گنجائش ملے۔ بلکہ حقیقتاً جملہ مجتہدین صراطِ مستقیم ہی کے پیش رو ہیں۔ اور اسی کی طرف داعی و مادی، اور ان کی شان میں گستاخی حرمان کی علامت ہے والعیاذ باللہ۔

اس میں شک نہیں کہ مضمون نہایت ہی اہم اور ضروری ہے مگر اے کاش کہ اس کے لیے کسی ایسے شخص کا قلم ہوتا جو اس کا اہل ہو ورنہ میری ناقص تحریر اس مضمون کو سلجھانے کے بجائے خدا نخواستہ کسی اور الجھاؤ میں نہ پھنسا دے ہر چند میں نے اہل المظاہر سے عذر کئے مگر ان کے از حد رقتہ اصرار نے مجبور کیا کہ اپنی نااہلیت کا اعتراف کرتے ہوئے کچھ عرض کروں۔ اس لیے اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر پیش کرتا ہوں۔

چونکہ اس اختلاف کے حقیقتہً تین دور ہیں۔ ایک اختلاف روایات یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال میں جو بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، دوسرے اختلاف آثار یعنی صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں جو تعارض معلوم ہوتا ہے اور تیسرے اختلاف مذہب جو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں اگر کسی مجتہد کا قول اختیار ہونے کی وجہ سے اس کے مقلدین کے لیے ہمیشہ کا معمول بن گیا، اس لیے میں بھی ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ اجمالی گفتگو ضروری سمجھتا ہوں اور چونکہ دوسرا تیسرا اختلاف حقیقتہً پہلے ہی اختلاف کی فرع ہے اس لیے اسی ترتیب سے اپنی تحریر کو پیش کرتا ہوں۔

واللہ التوفیق۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسائل کی

صورت اور اختلاف روایات کی بڑی وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعلیم مسائل کی یہ صورتیں نہیں تھیں جو آج دائرہ میں کہ فقہ کے نام سے مستقل تصانیف، کتب اور رسائل بڑی اور چھوٹی تالیفات ہر ہر نوع اور ہر ہر مسئلہ پر جدا جدا لکھی جاتی یا پائی جاتی ہیں، مسائل اور احکام میں ارکان اور شرائط آداب اور منوعات کو جدا جدا بتایا جاتا ہے، اسکی صورت صرف یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا جب کوئی حکم نازل ہوا تو اس کو تو لا اور فعلاً خود کے بتلا دیا، حضور نازل ہوئی تو خود حضور فرما کر بتلا دی۔ اور نماز نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھ کر حضور کو بتلا دی اور امت کو سکھلا دی، اور اس میں یہ صورت یہ تدقیقات کہ فلاں جزو فرض ہے فلاں مکن فلاں سنت ہے فلاں واجب نہیں ہوتی تھیں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین لمخالات اور عقلیات دریافت ہی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی جرح بھی کرتا تھا تو وہ خلاف ادب شمار کیا جاتا تھا اور اس کو بے ادبی پر تنبیہ کی جاتی تھی۔

حضرت ابن عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے اہل کو اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہے تو نہ روکے۔ ابن عمر کے ایک صاحبزادہ نے زمانہ کو دیکھتے ہوئے عرض کر دیا کہ ہم تو مسجد میں نہ جلنے دیں گے، حضرت ابن عمر کو حدیث نبویؐ کے مقابلہ میں بیٹے کا یہ فقرہ سنا گوارا تو کیا ہوتا صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں بلکہ مسند احمد کی روایت میں لکھا ہے کہ اس کے بعد سے مرنے تک بیٹے سے کلام نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں حضور کا ایک فرمان نقل کرتا ہوں تو اس کا یہ جواب دے، ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ وتر واجب ہے یا سنت انہوں نے جواب میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیشہ وتر پڑھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ وتر پڑھے، اس کے بعد مکہ سے گزر مسائل دریافت کرتا رہا کہ وتر واجب ہے یا نہیں اور حضرت ابن عمرؓ ہی جواب مرحمت فرماتے رہے جس کا مطلب یہی تھا کہ عمل کرنے والے کے لیے تدقیقات کی ضرورت نہیں، جب حضور اقدس اور صحابہ کا معمول یہ ہے تو واجب العمل ہونا خود معلوم ہو جاتا ہے، غرض مسائل کی تعلیم اکثر خطی حسب ضرورت ہوتی رہتی تھی، وہ لوگ ایسی صورتوں کو کہ اگر کوئی وضو میں غلاں چیز ترک کر دے تو کیا حکم ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہو گا ناپسند سمجھتے تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو ایسے سوالات کرتا پھرے جو درپیش نہیں، جو مسئلہ بحیثیت واقعہ پیش آتا تھا وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کر لیا جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مناسب و موافق حکم ارشاد فرما دیتے تھے، ایسی صورت میں اختلاف ہونا لازمی اور بدیہی ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات لکھے جاتے ہیں جس سے اس کا اندازہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ ایک نابینا صحابی نے اگر حضورؐ سے یہ عرض کیا کہ مجھے مسجد تک پہنچانے والا کوئی شخص نہیں مجھے اس کی اجازت ہے کہ اپنے گھر نماز پڑھ لیا کروں اور مسجد میں حاضر نہ ہو کروں حضورؐ نے اجازت مرحمت فرمادی، اور پھر یہ معلوم فرما کر کہ ان کا گھر اتنا قریب ہے کہ اذان کی آواز ان کے گھر تک جاتی ہے ان کو اجازت نہیں دی۔ اور مسجد میں اگر شرکت نماز کا حکم فرمایا، لیکن عتبہ بن مالکؓ کے حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مدد بنیائی کا عذر قبول فرما کر ان کو مسجد میں نہ آنے کی اجازت فرمادی، ایسے ہی عبداللہ بن زیدؓ نے الفاظ اذان کو خواب میں دیکھا تھا ان کے لیے حضور اقدسؐ نے اس کی اجازت فرمادی کہ باوجود بلالؓ کے اذان کہنے کے وہ تکبیر کہیں لیکن ایک سفر کے موقع میں زیاد بن حارث صدائی نے اذان کہی اور

اس کے بعد حضرت بلالؓ نے تکبیر کا ارادہ کیا تو حضور اقدسؐ نے یہ فرما کر کہ جو شخص اذان کہے اسی کا حق اذان کہنے کا ہے حضرت بلالؓ کو روک دیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے تمام مال کو ایک مرتبہ تصدق فرمادیا اور حضورؐ نے قبول فرمایا لیکن متعدد صحابہ ایسے تھے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کیا یا صدقہ کا ارادہ فرمایا اور حضورؐ نے ان کو روک دیا اور رد فرمادیا۔ غرض یہ واقعات دو چار نہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی مقدار میں ایسے میں جن سے یہ امر نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اشخاص کیلئے کوئی حکم فرماتے تھے جسکی دوسرے بعض کو اجازت نہیں ہوتی تھی ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے ایک شخص نے روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کو دریافت کیا تو حضورؐ نے اجازت فرمادی، اور ایک دوسرے شخص نے دریافت کیا تو حضورؐ نے منع فرمادیا، نورانی بات سمجھ میں آئی کہ جسکو اجازت دیدی تھا وہ بڑھا شخص تھا اور جسکو منع فرمادیا وہ جوان تھا۔

اب ان سب قصوں میں ہر شخص یقیناً وہی امر نقل کرے گا جو اس پر گزرا اور جسکو وہ خود بلا واسطہ حضورؐ سے معلوم کر چکا ہے، جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ میں اس کی اجازت فرمادی ہے وہ بلا تکلف ————— ہر شخص تک اس امر کو پہنچانے کا سعی ہو گا کہ روزہ کی حالت میں بوس و کنار جائز ہے اور مفسد روزہ نہیں۔ اور دوسرا شخص اسی شہدہ سے اس کا خلاف نقل کرے گا۔ اور وہ روزہ کیلئے اس کو ناجائز قرار دے گا، اور یہی نہیں کہ صرف ان دو شخصوں کی متعارض روایتیں ہو گئیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہمیشہ طالبین و شائقین کا مجمع رہتا تھا، مسائل پوچھنے والے، زیادت کرنے والے، قاصد و امیر ہر وقت آتے جلتے رہتے تھے۔

اس بنا پر ان مختلف احکام کے دو دقتوں پر، سنے والے جہاں جہاں جائیں گے وہی امر نقل کریں گے جو انہوں نے اپنے کانوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، و حقیقت یہی ایک وجہ ایسی اہم اور طویل ہے۔ کہ اس کے ذیل میں جس قدر بھی

اختلاف روایات موجودہ کم ہے اس لیے کہ مجمع میں معذور غیر معذور، قوی، ضعیف، ہر نوع کے شخص ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لیے اس کی قوت و ضعف کے لحاظ سے حکم بدل جاتا ہے، ایک شخص اس قدر قوی القلب ہے کہ وہ اگر اپنا تمام مال صدقہ کر دے تو اس کی زبان پر شکوہ یا سوال تو درکنار اس کے قلب پر یہ بھی اطمینان ہے کہ اس کو جتنی بھی تکلیف ہوگی اس ہی قدر رضا الہی اور توجہ الی اللہ میں اہماک ہوگا اس کے لیے نہایت ہی مناسب ہے کہ تمام مال تصدق کر دے، دوسرا وہ شخص ہے جس پر اس قسم کا اطمینان نہیں بلکہ اندیشہ شکوہ شکایت سے بھی لگے ٹھوکانے کا ہے اس کے لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنا تمام مال تصدق کر دے۔

ایسے ہی اگر ایک شخص نہایت قوی ہے اس کے لیے یہی السبب ہے کہ وہ سفر کی حالت میں رمضان المبارک کا روزہ قضا نہ کرے کہ رمضان المبارک کی فضیلت ہاتھ سے نہ جائے، لیکن اگر دوسرا شخص ضعیف ہے اس کے لیے ایسی حالت میں کہ مفرت کا احتمال غالب ہو رمضان المبارک میں روزہ رکھنا ناجائز ہوگا اس بنی فرق کی وجہ سے روایات حدیث میں اس جگہ بھی اختلاف ہوگا، ابو سعید خدری نقل کرتے ہیں کہ ہم سولہ رمضان المبارک کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں ایک غزوہ کے لیے چلے راستہ میں ہمارے بعض رفقاء نے روزہ رکھا اور بعض نے افطار کیا، کوئی ایک فریق دوسرے پر معترض نہیں تھا نہ روزہ رکھنے والے افطار کرنے والوں کو مطعون کرتے تھے نہ افطار کرتے والے روزہ رکھنے والوں کا خلاف کرتے تھے۔

حمزہ بن عمرؓ نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری عادت کثرت سے روزہ رکھنے کی ہے سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا کروں یا حضور نے ارشاد فرمایا اقتیاس ہے چاہے رکھ لو یا نہ رکھو، لیکن حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سفر کی حالت

میں روزہ رکھنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو گنہگار بتلایا ہے جو حالت سفر میں روزہ رکھتے ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عبدالرحمن بن عوف حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضر یعنی غیر سفر کی حالت میں روزہ توڑنے والا۔

غرض اختلاف روایات کی بڑی وجہ یہ اختلاف احوال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات کے لحاظ سے دو وقتوں میں دو شخصوں کو علیحدہ ارشاد فرمائے جس مجمع میں جو حکم ارشاد فرمایا دوسرے حکم کے وقت وہ ہی مجمع نہ ہونا بدیہی ہے، اس لیے دو بڑی جماعتیں دو مختلف حکموں کی نازل بن گئیں، اگر ایسے بھی بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں گے بلکہ بہتے تھے جنہوں نے دونوں حکم سنے ہوں گے اور ان کو ضروریہ تامل وغور کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ ان مختلف احکام کی کیا وجہ ہوئی اور پھر انہوں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو جمع فرمایا جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کے بارہ میں دو حدیثیں نقل کیں اور دونوں کے اختلاف کی وجہ بھی بتلادیا، ایسے ہی اور ہزاروں واقعات نکلیں گے اس جگہ ان کا استیعاب نہ ہو سکتا ہے مگر خصوصاً یہ چند واقعات بھی مثال کے طور پر اس لیے ذکر دیئے ہیں کہ یہ بات اگرچہ خود ہی بدیہی ہے لیکن واقعات کی شہادت سے اور زیادہ ذہن نشین ہو سکتی ہے ان مختلف روایات کے بعد صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہ فرض ہے کہ وہ دونوں طرز کی روایات کا مآخذ، موقع، محل تلاش فرما کر ہر روایت کو اس کے موقع پر محمول فرمادیں۔

اختلاف روایات کی دوسری اور تیسری وجہ

منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حکم، خاصہ شمس کے لیے مخصوص فرمایا کسی خصوصیت کی وجہ سے

کسی شخص کو مخاطب فرما کر کوئی ارشاد فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات نے اس کو عام حکم سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حضرت عائشہ کے خیال کے موافق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہو تا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار فرماتی ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص عورت کے بارہ میں یہ قصہ فرمایا تھا کہ وہ یہودیہ جس پر یہ گھر والے رو رہے ہیں عذاب دی جا رہی ہے ہمیں اس جگہ نہ اس نوع کی روایات کا احصاء مقصود ہے نہ اس پر کلام نہ مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی رائے جمہور محققین کے نزدیک راجح ہے یا ابن عمر کی۔ ہمارا مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ اس نوع کا اختلاف بھی روایات حدیث میں بکثرت موجود ہے اسی قبیل سے حنفیہ کی تحقیق کے موافق خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کی روایات ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلیم غطفانی ایک صحابی جو نہایت ہی ضرورتمند غریب الحال تھے ان کو اس لیے تحیۃ المسجد کا اس وقت حکم فرمایا تھا کہ لوگ ان کی غربت پر بھی نظر کریں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کا لحاظ کریں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خطبہ کے درمیان ہی میں نوافل کا حکم فرمایا بعض روایات کے موافق خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ رو کے کھڑے رہے لیکن مجمع میں بہت سے حضرات تھے جنہوں نے اس حکم کو عام قرار دیا اور کلیہ کے طور پر نقل فرما دیا کہ جو شخص خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہو اس کو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئیں۔ اسی قبیل سے ہی سالم مولیٰ حذیفہ کے دو دھ پلانے کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص ان کے لیے حکم ارشاد فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حکم کو عام سمجھ کر کلی طور پر حکم لگاتی ہیں اور دیگر ازدواج مطہرات نے کلیۃً اس سے انکار فرمایا ہے۔ اتم سند فرماتی ہیں کہ ہمیں اس حکم کی وجہ معلوم نہیں

لیکن یہ قطعی ہے کہ یہ حکم سالم کے ساتھ مخصوص تھا یہی وجہ ہیں عمران بن حصین کے اس قول کی جس کو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں نقل کیا ہے۔

ان عمران بن حصین	عمران بن حصین صحابی فرماتے ہیں
قال والله ان كنت	واللہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد
لاری انی لو شئت لحدثت	ہیں کہ چاہوں تو درود و ترک
عن رسول الله صلى الله	برابر روایت کر سکتا ہوں لیکن
عليه وسلم يومين متتابعين	یہ مانع ہے کہ چند صحابہ نے میری
ولكن بطاني عن ذلك	طرح سے احادیث کو سنا اور حضورؐ
ان رجلا من اصحاب	کی خدمت اقدس میں میری
رسول الله صلى الله عليه	طرح حاضر باش رہے۔ لیکن پھر
وسلم سمعوا كما	بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں
سمعت وشهدوا كما	مجھے روایت کرنے میں یہ بھی
شهدت ويحدثون	اندیشہ ہے کہ روایات مجھ پر
احاديث ما هي كما يقولون	ایسی مشتبہ ہو جائیں جیسا کہ ان
واخاف ان يشبه	پر مشتبہ ہو گئیں۔ میں اس پر
لي كما شبه لهم فاعلمك	متنبہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے
انهم كانوا يغلطون لانهم	کچھ دہم ہوا نہ کہ وہ دیدہ و دانستہ
كانوا يتعمدون -	غلط روایات کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کثرت روایت کو منع فرمادیا تھا جیسا کہ اسی کثرت کی وجہ سے بعض اجل صحابہ پر پابندی عائد کر دی تھی ابو سلمہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کیا تم عہد فاروقی میں بھی اسی کثرت سے روایت کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر اس وقت اس طرح روایت کرتا تو حضرت عمرؓ درہ سے

خبر لیتے غرض اختلافِ روایات کی دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جو حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی خاص شخص کے لیے مخصوص طور پر فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے علی العموم نقل کر دیا جس کے امثلہ ابھی گزر چکی ہیں اور تیسری وجہ اسکے عکس کی صورت میں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم علی العموم اِشاد فرمایا تھا اس کو کسی نقل کرنے والے نے کسی شخص کے ساتھ یا کسی وقت کے ساتھ مخصوص قرار دے لیا اس کی مثالیں بھی گذشتہ روایات میں ظاہر ہیں مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت جو میت کے عذاب کے بارہ میں گزری ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ وہ مخصوص یہودیہ کا قصہ ہے انہی مواقع کی تنقیح کے لئے ائمہ مجتہدین کی ضرورت ہے جن کے سامنے ہر نوع کی مختلف روایات موجود ہوں صحابہ کے مختلف اقوال مستحضر ہوں جن کے مجموعہ سے یہ امر منقح ہو سکے کہ کون حکم عام ہے کون خاص اور کیا داعی ہے ایک ہی امر کو ایک شخص کے لیے جائز قرار دینے کا اور اسی کو دوسرے کے لئے ناجائز فرمانے کا۔

اختلافِ روایات کی چوتھی وجہ

روایات حدیث کے درمیان میں بسا اوقات اختلاف اس وجہ سے بھی ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعدد لوگوں نے ایک کام کرتے دیکھا دیکھنے والوں کے فہم کا مختلف الوزن ہو نا بدیہی ہے بعض لوگ مجتہد تھے فقیہ تھے بات کو اس کے طریقہ کے موافق سمجھنے والے تھے انہوں نے حسب موقع واقعہ کے مطابق خیال اور بعض لوگ حافظہ کے دھنی بات کو یاد رکھنے میں یکساں پہلے طبقہ سے بھی اس میدان میں چاگر آگے لیکن تفقہ میں اُن سے کم انہوں نے واقعہ اپنی فہم کے مطابق نقل فرمایا اس کی مثالیں کتاب الحج میں سینکڑوں ملیں گی مثلاً ایک شخص نقل کرتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حج افراد تھا۔ اس لیے کہ اُس نے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لبیک بجمہتہ کہتے سنا اس میں تردد نہیں کہ روایت
 صحیح اس میں شک نہیں کہ نقل کرنے والے نے کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن دوسرے لوگ نقل
 کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احرام قرآن تھا یہ روایت ظاہر پہلی کے
 مخالف ہے اس لیے قرآن حج کی مستقل دوسری قسم ہے جو افراد کے علاوہ ہے لیکن حقیقت
 کے لحاظ سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ قارن کے لیے لبیک بجمہتہ کہنا بھی جائز
 ہے اب صرف عتہتہ کا کام رہ گیا ہے کہ روزن کی طرح، آیات کو سامنے رکھ کر ان میں جمع کی
 صورت پیدا کرے دونوں کے عمل مستقل قرار دے تاکہ تزام روایات سے خلجان نہ پیدا
 ہو۔ اسی قبیل سے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ابتداء احرام ہے اس بارہ میں
 روایات مختلفہ واقع ہوئی ہیں کہ حضور نے احرام کی ابتداء کس وقت فرمائی اور اسی
 اختلاف روایات کی وجہ سے ائمہ میں بھی اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ احرام کا باندھنا
 کس وقت افضل ہے۔ چنانچہ ان ہی مختلف روایات کی بنا پر سعید بن جبیر جو ایک بڑے
 تابعی ہیں انہوں نے جبر الائمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر اس اختلاف روایات
 کا اشکال کر کے اس کا حل پوچھا ہے ابو داؤد میں یہ مفصل روایت موجود ہے جس کا مطلب
 خیر ترجمہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ کہا کہ مجھے صحابہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اس اختلاف پر بہت بڑا تعجب ہو رہا ہے جو حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتداء احرام میں واقع ہوا نہ معلوم اس قدر اختلاف کیونکر ہو
 گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کی اصلیت خوب معلوم ہے، حقیقت یہ ہوئی تھی کہ حضور
 اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے (وہ بھی آخر عمر
 میں اس لئے لوگوں کا مجمع بہت ہی زیادہ ہو گیا تھا جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کو جس وقت حج کا کم کرتے دیکھا اس کا اصل سمجھا) اس بنا پر اختلاف ہو گیا اس احرام کا
 تقدیر ہوا تھا کہ بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر حج میں ذوالحلیفہ کو قیام گاہ بنا کر اس
 کی مسجد میں ذوالحرام ادا فرمایا تو اسی وقت احرام باندھ لیا تھا اس وقت جس قدر

مجمع موجود تھا انہوں نے سنا اور آئندہ کے لئے نقل کیا کہ ابتدا پر احرام دو گانہ کے بعد مسجد
 ہی میں ہوئی ہے اس سے فراغت پا کر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار
 ہوئے جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی اس وقت آپ نے پھر آواز بلند لیکر پڑھی۔
 اس وقت ایک بڑے مجمع نے دور تک سنا جن لوگوں نے پہلے بھی سنا تھا ان کو معلوم
 تھا کہ یہ لبیک دوسری مرتبہ کی ہے لیکن جن حضرات نے یہ ہی سنی ہے انہوں نے یہی
 نقل کیا کہ حضور نے اونٹنی پر سوار ہونے کے بعد احرام کی ابتدا فرمائی مجمع کی کثرت کی
 وجہ سے نہ عام مجمع میں حضور کی آواز جاسکتی تھی نہ سب ایک یا دو مرتبہ میں حضور سے
 مل سکتے تھے اس لئے جماعتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خدمت میں آتے تھے اور مسائل معلوم کرتے تھے۔ بالجملہ حضور کی اونٹنی یہاں سے
 بیدار کی بلندی پر چڑھی حضور نے (چونکہ حاجی کے لئے بلند مقام پر لبیک کہنا مستحب ہے)
 اس لئے وہاں بھی لبیک آواز کہی اس وقت جو مجمع قریب ہو گیا تھا اس نے سنا
 اور یہی کہا کہ حضور نے بیدار پر احرام باندھا حالانکہ خدا کی قسم حضور نے اپنے مصلے ہی پر
 احرام باندھا تھا، البتہ لبیک سب جگہ کہی یا اتنی چونکہ سعید بن جبیر نے مختلف روایات
 سنیں اس لئے ان کو تحقیق کی ضرورت پیش آئی اور حسن اتفاق کہ عبد اللہ بن عباسؓ
 اس سب قصہ سے واقف تھے۔ اس لئے نہایت وثوق سے قسمیاتی ابتداء بتلاوی
 اور چونکہ فقہ اور مجتہد بھی تھے اس لئے ان سب روایات مختلفہ کے اختلاف کی وجہ
 ان کی جمع کی صورت بھی بتلاوی لیکن جس عالمی کے سامنے ان سب مختلف روایات کا
 صرف لفظی ترجمہ ہو وہ بیچارہ بجز تحیر و پریشانی کے اور کیا کر سکتا ہے لا محالہ پریشان
 ہوگا، اور مختلف الاتماع اشکالات پیش آئیں گے، اسی لئے باآخر حضرات غمید
 مقلدین کو بھی اپنے تشدد و تعصب کے باوجود تقلید سے مفر نہ ہوا، حضرت گنگوہی نور اللہ
 مرقدہ نے "سبیل الرشاد" میں مولوی محمد حسین صاحب ثبائوی رئیس غیر مقلدین کا قول
 ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" سے نقل کیا ہے کہ نمبر ۱ جلد ۱۱ کے ص ۲۱۱ میں لکھتے ہیں

کہ غیر مجتہد مطلق کے لئے مجتہدین سے قرار و ارکار کی گنجائش نہیں اور مذہب ۲ جلد ۱ ص ۵۳ پر لکھتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تعلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے انتہی،

اختلاف روایات کی پانچویں وجہ

بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو مختلف گروہ نے ایک کام کرتے ہوئے دیکھا بعض لوگوں نے اس فعل کو اتفاق خیال کیا، اس لئے امور طبعیہ عادیہ میں سمجھا، دوسرے بعض نے اس کو مقصود اور فعل ارادی خیال فرمایا انہوں نے اس کو سنت اور مستحب قفل فرمایا اس کی بہت سی مثلہ کتب حدیث کے ناظرین کو معلوم ہوں گی نمونہ کے طور پر حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام البطحہ کو دیکھا جائے کہ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا، حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ یہ بھی افعال مناسک حج سے ہے اور حاجی کے لئے وہاں کا قیام سنت ہے لیکن حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ قیام اتفاقی تھا اس کو مناسک حج سے کوئی سروکار نہیں، خدام نے وہاں خیمہ نصب کر دیا تھا اس لئے حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا، نیز مدینہ منورہ روانگی کے لئے بھی وہ پہل تھا کہ ادھر سے ادھر قافلہ کی روانگی بسہولت ہو جائے گی۔

یہاں اب مجتہد اور فقیہ کی ضرورت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس قیام کے متعلق دیگر صحابہ کی روایات اور آثار کو جمع کر کے ان دونوں

قولوں میں سے کسی کو ترجیح دے۔ چنانچہ ائمہ نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنا پر کہ **مَنْزِلُنَا عَدَا اَنْشَاءَ اللّٰهِ بَخِيفَ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلٰی الصَّكْرِ**۔ یعنی ہم کل انصار اللہ خیف بن کنانہ میں منزل کریں گے جہاں ابتداء عہد نبوت میں کفار مکہ نے حضور کی مخالفت پر آپس میں معاہدہ کیا تھا یہ الفاظ صاف بتلا رہے کہ اس جگہ قیام اتفاقیہ نہیں بلکہ قصداً شکار کفار کے موقع پر شعائر اسلام کے اظہار کا حکم تھا۔ اب اس کے ساتھ اگر اور مصالح بھی منظم ہو جاویں کہ مثلاً مدینہ منورہ کا راستہ ہی چونکہ اسی طرف کو ہے اس لیے واپسی میں سہولت ہو وغیرہ وغیرہ وہ اسکو مقتضی نہیں کہ وہاں قیام قصداً نہیں تھا۔

اختلاف روایات کی چھٹی وجہ

بسا اوقات روایات حدیث میں اختلاف علت حکم کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے۔ مثلاً یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک کافر کا جنازہ قریب کو گذر آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان ملائکہ کی تعظیم کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے جو جنازہ کی ساتھ تھے۔ اس صورت میں مومن کا جنازہ اگر گزرے تو بطریق اولیٰ کھڑے ہونا چاہیے، اور جن لوگوں کے نزدیک قیام کی یہ علت ہے وہ کافر کا لفظ روایت میں ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے اس لیے کہ ان کے نزدیک صاحب جنازہ کے کافر یا مسلمان ہونے کو اس میں دخل نہیں،

لیکن دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے کھڑے ہوئے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سر سے اونچے کو نہ گزرے کہ اس میں مسلمانوں کی امانت ہے، اس صورت میں قیام صرف کافر کے جنازہ کے ساتھ مخصوص تھا اور روایت میں کافر کے ذکر کرنے کی خاص طور سے

ضرورت ہے۔

اسی طرح سے رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ بٹائی پر زمین دینا ہم لوگوں کے لئے نافع تھا مگر حضورؐ نے منع فرمایا اللہ ورسول کی اطاعت سب منافع پر مقدم ہے، عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم بٹائی پر زمین کا معاملہ کیا کرتے تھے اور اس میں کچھ نقصان نہیں سمجھتے تھے، مگر جب رافع بن خدیجؓ نے یہ بتلایا کہ حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تھا ہم نے چھوڑ دیا۔

رافع بن خدیجؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمارے چچا وغیرہ زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے اس طرح پر کہ جو ڈول یعنی نالیوں کے قرب و جوار میں پیدا ہو وہ مالک کا، باقیہ کاشتکار کا، یا کوئی اور خاص حصہ زمین کا مشنئے کر لیتے تھے حضورؐ نے اس کو منع فرمادیا، کسی نے رافعؓ سے پوچھا کہ اگر روپیوں سے لگان مقرر کر کے دے انہوں نے کہا اس میں کوئی نقصان نہیں۔

لیکن ان سب کے خلاف عمر بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ تم بٹائی پر زمین دینا چھوڑ دو صحابہؓ اس سے روکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھ سے اعلم الصحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ حضورؐ نے اس کو منع نہیں فرمایا، بلکہ حضورؐ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ زمین اپنے مسلم بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے یہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کچھ معاوضہ لے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اس ممانعت کی علت حسن سلوک ہے ایک مسلم کے ساتھ کہ فقہی عدم جواز لیکن رافعؓ کے نزدیک ممانعت کی علت عدم جواز ہے، ایسی ہی کتب حدیث میں اس کی سینکڑوں مثالیں نکلیں گی، نہ احصار ہو سکتا ہے نہ مقصود، غرض یہ ہے کہ روایات میں بسا اوقات حکم کو کسی ایک روایت کرنے والے نے کسی علت پر محمول سمجھا۔ دوسرے روایت کرنے والے نے کسی دوسرے علت پر محمول سمجھا، وہ دونوں اپنی اپنی فہم کے موافق اس کو اُس ہی طرح نقل فرمائیں گے جس طرح ان کے

ذہن میں ہے، لیکن جس شخص کے سامنے دونوں طرح کی روایات ہیں اور اصول و وجہ وہ یقیناً ایک علت کو ترجیح دے کر کسی ایک روایت کو اصل قرار دے گا اور دوسری کے لیے کسی توجیہ کی فکر کرے گا، مگر کون! صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے سامنے ہر مضمون کی سینکڑوں روایات موجود ہوں ہر ہر حدیث کے مختلف الفاظ مستحضر ہوں۔ بخلاف اس شخص کے جس کے سامنے صرف ایک ہی حدیث کا ترجمہ ہو نہ اس کو دوسری حدیث کا تعارض کا علم نہ وجہ ترجیح کی خبر، وہ کیا علت کے رجحان کو سمجھ سکتا ہے اور کیا کسی حدیث کو ترجیح دے سکتا ہے۔

اختلاف روایات کی ساتویں وجہ

روایات حدیث کے اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے الفاظ کلام میں ایسے متعل ہوتے ہیں جن کے لغوی معنی بھی متعل نہیں اصطلاحی بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معنی کے لحاظ سے کوئی کلام ارشاد فرمایا جس کو بعض سننے والوں نے دوسرے معنی میں استعمال سمجھا، اس کی ایک دو مثالیں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں ملیں گی، مثلاً وضو کا لفظ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے متعارف وضو کے معنی میں ہوتا ہے لیکن معنی لغوی کے لحاظ سے لطافت، ستھرائی پاکیزگی اور ہاتھ دھونے کے معنی میں متعل ہوتا ہے شامل ترمذی کی روایت ہے کہ سلمان فارسی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے تو رات میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا برکت طعام کا سبب ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد دونوں وقت وضو کرنا برکت طعام کا سبب ہے، اس جگہ پر سلمانؓ کے کلام میں بھی اور حضورؐ کے ارشاد میں بھی وضو کا لفظ بالاتفاق ہاتھ دھونے کے معنی میں ہے۔

ایسے ہی ترمذی شریفین میں مکران کی ایک طویل حدیث ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اس کھانے سے فراغت پر پانی لایا گیا حضورؐ نے اپنے دست مبارک

دھوکہ ہاتھوں کو منہ پر اور بازوؤں پر پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ مکرانہ آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے جو دھوکہ کا حکم ہے وہ وہی وضو ہے، روایت اگرچہ متکمل فیہ ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس حدیث میں وضو اصطلاحی مراد نہیں۔

ایسے ہی جمیع القوائد میں بروایت بزار نقل کیا ہے، حضرت معاذ سے کسی نے پوچھا کہ تم آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضو کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہاتھ منہ دھو لیتے تھے اور اس کو ہی وضو سے تعبیر کیا کرتے تھے انہی روایات کی بنا پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیزوں کے بارہ میں جہاں جہاں روایات حدیث میں وضو کا حکم آیا ہے اس سے یا وضو لغوی مراد ہے یا وہ حکم منسوخ ہے۔

اسی طرح حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ بعض اعضاء وضو کو دھوکہ یہ ارشاد فرمایا کہ هذا وضوء من لم یحدث یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے با وضو ہو، اب یعنی امر ہے کہ بعض اعضاء کے دھونے کو شرعی وضو نہ کہہ جائے گا، یہ مثال کے طور پر وہ مواضع گنوائے ہیں جہاں قطعاً وضو اصطلاحی نہیں۔ جس سے یہ امر ظاہر کرنا ہے کہ لفظ وضو اور ایسے ہی بعض دیگر الفاظ بھی معنی لغوی و اصطلاحی دونوں میں استعمال ہوتے ہیں، اب اختلاف کا سبب اس سے خود واضح ہو جائے گا کہ اب اوقات ایسی صورت بھی پیش آئے گی کہ ایسے مواقع میں بعض نقل کرنے والے اس کو وضو اصطلاحی پر حمل فرمائیں گے، وہ یقیناً توضیح کے لئے وضو وضوہ للصلوٰۃ کا لفظ بھی اضافہ کریں گے۔ تاکہ اشتباہ کا حمل نہ رہے اور سننے والے کو حلیان نہ ہو۔ اور اس کے بالمقابل جس شخص کی تحقیق کے موافق یہ وضو اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی ہے وہ یقیناً اس ہاتھ منہ دھونے کی ساتھ نقل کرے گا۔ اسی خیال سے کہ سننے والے کو اشتباہ نہ ہو اور حدیث کے ساتھ اس کی تفسیر بھی ہو جاوے اب اس جگہ اختلاف

روایات بھی لایہی ہو گیا اور اس کی وجہ سے اختلاف صحابہ اور تابعین اور اس کے بعد اختلاف فقہاء بھی لازمی ہو گیا یہی وجہ ہوئی کہ اول زمانہ میں اگل کی پکٹی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو کا واجب ہونا مختلف فیہ رہا لیکن اخیر دور میں اگر ائمہ کے زمانہ میں چونکہ روایات وضو کے نہ توڑنے والی زیادہ نہیں اس لئے عدم وجوب کو ترجیح ہو گئی اور ائمہ اربعہ کا وضو نہ ٹوٹنے پر اتفاق ہو گیا لیکن سینکڑوں مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں اس اختلاف کی وجہ سے ائمہ متبوعین اور اہل مذاہب میں اختلاف باقی رہا مثلاً مس ذکر کی وجہ سے وضو کا حکم حضور کا ارشاد ہے من مس ذکوة فلیتوضا جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے اس کو چاہیئے کہ وضو کرے صحابہ تابعین اور ائمہ متبوعین اس میں مختلف ہیں کہ اس وضو سے کونسی وضو مراد ہے بعض کی رائے ہے کہ وضو اصطلاحی مراد ہے اور بعض کی تحقیق ہے کہ وضو لغوی مراد ہے ایسے ہی دوسرا اختلاف اس میں یہ پیش آیا کہ بعض کے نزدیک چھونے کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے مطلقاً ہاتھ لگانا مراد ہے دوسرے بعض کا خیال ہے کہ اس جگہ مس سے جس کے معنی چھونے کے ہیں پیشاب کرنا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بعد میں استنجا سکھانے کے لئے ہاتھ سے چھویا جاتا ہے۔ اسی طرح وضو کے حکم میں بھی اختلاف لازمی تھا اور ہوا کہ بعض حضرات نے اس کو وجوب پر حمل فرمایا اور ضروری خیال کیا چنانچہ وضو کو واجب قرار دے دیا اور دوسرے بعض حضرات نے افضلیت اور استحباب پر حمل فرمایا کہ وضو کو مستحب قرار دیا جس کو ہم اٹھویں نمبر پر ہم وضاحت سے بیان کریں گے اسی ہی قبیل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نماز کے سامنے کو عورت کتا اور گدھے کے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے بعض سننے والوں نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھا اور نماز قطع ہونے سے نماز کا حقیقتہً فاسد ہو جانا سمجھا اور ان کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی۔ لیکن دوسرے بعض صحابہ اور اہل فقہاء لوگوں کی رائے ہے کہ نماز کے فساد کو ان چیزوں

سے کوئی خاص تعلق نہیں اس لئے یقیناً اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ نماز قطع ہو جانے سے نماز کا شروع قطع ہو جانا مراد ہے اس کے لئے ایک دوسرے متعدد قرائن موجود ہیں جو اپنے اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ اختصاراً ہم نے ترک کر دیا۔

اختلاف روایات کی اٹھویں وجہ

جو ساتویں وجہ کے قریب ہے جس کی طرف اجمالاً اشارہ بھی گذر چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا یا کسی کام کی ممانعت فرمائی حکم ہر زبان میں مختلف الافراغ ہوتا ہی ہے۔ بعض سننے والوں نے اس کو قطعی اور واجب الاطاعت قرار دیا ان کے نزدیک اس کام کا کرنا واجب اور ضروری بن گیا دوسرے بعض نے اس کو بہتری اور افضلیت کے لئے سمجھا۔ اور دوسری جماعت نے مثلاً صرف اجازت کا درجہ سمجھا۔ اسی قبیل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ضرور کے ساتھ تاک میں پانی ڈالتے کے بارہ میں ہیں کہ ایک جماعت نے ظاہر حکم کے لحاظ سے اس کو واجب قرار دیا۔ اور دوسرے گروہ نے اور قرائن کی وجہ سے اس کو افضلیت اور استحباب پر محمول فرمایا۔ ایسے ہی سوکراٹھے کے بعد و ضرور سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم ایک گروہ کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے اور ہاتھ دھونا اس وقت واجب ہے دوسری جماعت کے نزدیک استحباب و سنیت کا درجہ ہے اور درحقیقت وجہ اختلاف زیادہ طویل البحث ہے اور اسکے رفع کے لئے مجتہد اور فقیہ کے چارہ کار ہی نہیں اس لئے کہ مجرد حکم سننے جوئے کی صورت میں ہر شخص مجبور ہے کہ اور اقامہ اور دوسرے احکامات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کرے کہ یہ حکم کس درجہ کا ہے۔

اگر ایک حدیث میں التیمات میں بیٹھنے پر تشہید پڑھنے کا حکم ہے تو دوسری حدیث میں اتلوا الا سودین فی الصلوۃ الحیۃ والعقرب نمازیں دو

جیز سانپ اور کچھو کے قتل کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں حکم ایک درجہ کے نہیں اور اس ہی بنا پر خود ائمہ مجتہدین میں اس موقع پر زیادہ اختلاف ہوا ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب و افضلیت کے لئے۔ اس ہی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہے کہ نماز میں تکبیرات استقلالات کا حکم رکوع و سجود میں اطمینان کا حکم۔ نیز ان میں تسبیحات کا حکم التحیات پڑھنے کا حکم یہ سب احکام وجوب کے لئے ہیں یا استحباب و افضلیت کے لئے ہر مجتہد نے رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے دوسری روایات حضور کے افعال صحابہ کے افعال اور اصول ترجیح کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں تفریق فرمائی۔ اور ہر حکم کو اپنی تحقیق کے بعد اس کے موقع پر چسپاں کیا۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ مجتہد کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے اور تقلید بغیر کیوں چارہ نہیں۔ صرف بخاری شریف کے ترجمہ میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیکھ لینے سے نہ وجوب معلوم ہو سکتا ہے نہ استحباب و حجاز یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث پڑھنے کے لئے اصول فقہ اصول حدیث پہلے پڑھنا ضروری قرار دیا ہے کہ مجتہد کے لئے کم از کم علم قرآن یعنی اس کے احکام خاص عام مجمل منفسر محمول ناسخ منسوخ وغیرہ وغیرہ کو جاننے اور علم حدیث سے کماحقہ واقف ہو کر روایت کے مراتب متواتر غیر متواتر مسلسل و متصل صحیح و معلل و ضعیف قوی نیز رواۃ کے درجات کو جانتا ہو اس کے علاوہ لغات کا ماہر احکام نحو یہ سے واقف ہو نیز اقوال صحابہ و تابعین سے واقف ہو کہ کس مضمون پر اجماع ہے اور کس میں اختلاف ان سب کے بعد تیسرے کے انواع و اقسام سے بھی واقف ہو۔

اختلاف روایات کی نویں وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گھر بار سے بسا اوقات بعض احکام

تشہید اَللّٰہِ ذِیٰنِ یعنی غور و فکر کے لئے صادر ہوتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو شخصوں سے نیچے لنگی لٹکائے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے حضور اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا۔ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بُری طرح جلدی جلدی نماز پڑھی حضور نے فرمایا کہ جاؤ ہٹ کر نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی وہ دوبارہ نماز پڑھ کر حاضر ہوئے حضور نے پھر یہی ارشاد فرمایا تیسری دفعہ کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ مجھے مجاہد بجئے میری کجی میں نہیں آیا۔ تو آپ نے اطمینان سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ ایسے مواقع میں بھی اختلاف لازمی ہے کہ ہر سننے والا اس کو اپنے ہی محل پر چپاں کرے یہ ضروری نہیں اس کی جزئیات اگرچہ زیادہ نہ ہوں لیکن اسباب اختلاف میں داخل ضرور ہیں۔

اختلاف روایات کی دسویں وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر امت کے لئے نبی مرسل تھے تو خدام کے لئے طبیب جہانی اور عشاق کے لئے طبیب روحانی اور رعایا کے لئے امیر بھی تھے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان تھے تو استاد و شیخ سے زیادہ تربیت و تہذیب فرمانے والے تھے اگر شفقت کے باب سے سیکڑوں احکام ملتے ہیں تو تشدید و تنبیہ کے طور پر بھی بہت سے ارشادات ملیں گے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ جن میں ذرا بھلا شائبہ اشکال و شبہ نہیں اس کی ہدایت ہر شخص پر ظاہر ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و امرد ارشادات جو ایک حیثیت سے دارِ ستھے دوسری حیثیت کے ساتھ ملتیں ہو جانے لازمی تھے۔ اگرچہ یہ امور ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو مستقل وجہ قرار دے کر اس کو علیحدہ پیش کیا جاتا مگر مضمون بلا ارادہ طول پکڑتا جا رہا ہے گو اس کی اہمیت اس سے زیادہ تفصیل کی محتاج ہے۔ مگر ناظرین کی بددلی کے

خیال سے جو طول کا اکثری نتیجہ ہوتا ہے ان سب وجوہ کو ایک ہی میں داخل کر دیا گیا ہے فقہاء
 ملحد چند مسئلہ پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
 مستحاضہ یعنی جس عورت کو تسلسل خون کا عارضہ ہو حضور نے اس کے بارہ میں ارشاد
 فرمایا ہے کہ ظہر عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب عشاء کے لئے دوسرا اور صبح کے
 لئے تیسرا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ غسل تشریفی ہے یا علاجی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 سے شرمگاہ کے چھونے پر وضو کا بھی حکم ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ وہ تو ایسے ہی گوشت
 کا جزء ہے جیسے اور اجزاء بدن، جس طرح اور کسی عضو کے چھونے سے وضو واجب
 نہیں ہوتا اسی طرح یہ بھی ہے علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ حکم عامۃً مسلمین کے لئے ہے۔
 اور پہلا حکم خاص ہے اکابر امت کے لئے اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے
 کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا
 ہے کہ وضو نہیں ٹوٹا علماء کے اس میں بھی مختلف اقوال ہیں اور مختلف وجوہ سے ان
 دونوں میں ترجیح یا جمع کیا گیا ہے علامہ شعرانی کی رائے یہاں بھی وہی ہے کہ ایک حکم
 اکابر امت کے لئے دوسرا عوام کے لئے ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا ایک جنگ میں ارشاد ہے (من قتل قتیلًا فله سلبہ) جو کسی کافر کو قتل کر دے
 اس مقتول کے پاس جس قدر سامان ہے وہ اس قاتل کو مل جائے گا۔ اللہ کی ایک
 جماعت کی رائے ہے کہ یہ حکم سیاسی اور انتظامی ہے حضور نے بحیثیت بادشاہ کے
 یہ حکم فرمایا تھا لہذا امیر کو یہ اختیار ہے کہ جس جنگ میں مصلحت سمجھے اس کا اعلان
 کر دے دوسرے ایک گروہ کی رائے ہے کہ یہ حکم تشریفی ہے جلیشہ کے لئے معمول
 ہے امیر کے کہنے پر موقوف نہیں کتاب الجہاد کی ہزاروں حدیثیں اس اختلاف
 مسئلہ سے بھرپور ہیں۔ ایسے ہی مزارعت کے بارہ میں اکثر روایات میں ممانعت کی وجہ
 مزدوروں پر شفقت ہے جو روایات دیکھنے والوں پر ظاہر ہے، اسی طرح باب الصوم
 بہت سے لوگوں کو کثرت سے روزہ رکھنے کی ممانعت ان پر شفقت سے تھی عبد اللہ

بن عمرو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کی اطلاع ملی ہے کہ تم ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نفلیں پڑھتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ بیشک حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں کرو کبھی روزہ کبھی افطار ایسے ہی رات کے بعض حصہ میں نوافل ادا کرو اور کچھ حصہ سو بھی رہا کرو۔ اس لئے کہ بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں تکان نہیں ہوگا اہل وعیال کا بھی حق ہے کہ ان کے لئے بھی کچھ وقت دن رات کا فارغ کرنا چاہیے دوست احباب ملاقات کرنے والوں کا بھی حق ہے ہر مہینہ میں تین روزے ایک ماہ میں ایک ختم قرآن کافی ہے میں نے عرض کیا حضورؐ اس سے تو بہت زیادہ طاقت ہے مگر رسد کہ تم عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بس صوم داؤدی سے زیادہ کی اجازت نہیں کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اسی طرح قرآن شریف کہ سات راتوں سے کم میں ختم کی اجازت نہیں فرمائی۔ اس روایت کے الفاظ کتب حدیث میں کچھ مختلف وارد ہوئے ہیں اس حدیث کے موافق جس کو مشکوٰۃ میں بخاری مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے دائماً روزہ کی ممانعت اور ابتداء اسی طرح صوم داؤدی پر زیادہ کی ممانعت آخر حدیث میں ان پر شفقت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے اسی لئے عبداللہ بن عمرؓ اپنے ضعف و پیروی کے زمانہ میں افسوس کیا کرتے تھے کہ اس وقت میں حضورؐ کی رخصت کو قبول کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اسی طرح تنبیہ و تشدد کے قبل سے بہت سے ارشادات کتب حدیث میں ملتے ہیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لا صام من صام الدهر جو عمر بھر روزہ رکھتا ہے اس کا کچھ روزہ نہیں ایک جماعت کے نزدیک یہ ارشاد تنبیہ اور ڈانٹ کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کو روزہ کا ثواب نہیں ہوگا۔ یا اس کا روزہ ہی سرے سے نہ ہوگا۔ اسی طرح حضورؐ کا ارشاد کہ زانی زمانہ کے وقت مومن نہیں ہوتا اور سارق سرقت کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شراب پیوے چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (ملک عشرۃ کاملہ)

مثال کے طور پر یہ چند وجوہ بیان کی گئی ہیں درندان میں انحصار نہیں صرف اس امر کو ظاہر کرتا تھا کہ روایات میں اختلاف کی حقیقتہً وجوہ ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے اختلاف لازمی تھا اور ہونا چاہیئے ہی تھا وجوہ اختلاف نہ کسی مختصر تحریر میں آسکتی ہیں نہ مجھ سے بے بضاعت کے امکان میں ان کا انحصار ہے مقصود ان اوراق سے اجمالاً حاصل ہو گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا اختلاف فی الواقع موجب ہے اور اس کے وجوہ کثیرہ ہیں سے مثال کے طور پر یہ چند وجوہ ہیں جو ذکر کر دی گئیں اسکے بعد مجھے یہ دکھلانا ہے کہ دوسرے دور میں یعنی صحابہؓ کے زمانہ میں ان وجوہ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی وجوہ پیش آئیں کہ ان کے لئے اختلاف روایات لازمی تھا۔ اور مثال کے طور پر اس کی بھی چند نظیریں ہدیہ ناظرین کرنی ہیں مگر اس جگہ پر ایک فضول اشکال پیش آتا ہے۔ اس لئے ادل اس کو ذکر کرتا ہوں اس کے بعد دوسرا دور شروع کر دوں گا۔

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ تعلیم امت ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی بڑی غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے وابستہ تھی۔ تو آپ نے جملہ احکام شرعیہ کو مفصل و واضح ممتاز حالت میں کیوں نہ ارشاد فرما دیا جس سے یہ الجھن ہی یکسر اٹھ جاتی اور کسی قسم کی خلش ہی باقی نہ رہتی ظاہری صورت میں تو یہ اشکال بہت ہی واضح ہے لیکن حقیقت میں نہایت ہی مہمل خدشہ ہے جو احکام شرعیہ پر قلت نظر سے وارد ہوتا ہے اور فی الواقع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے حال پر غایت درجہ کرم اور شفقت تھی کہ ان معمولی فردعی مسائل کا ایسا انضباط نہیں فرمایا کہ جس کی وجہ سے امت کو تنگی پیش آئے بلکہ احکام دینیہ کو دو حصوں پر منقسم فرما دیا ایک وہ احکام ہیں کہ جن میں غور و خوض و بحث و مباحثہ غیر پسندیدہ قرار فرما دیا دوسرے وہ احکام ہیں جن میں اختلاف کو رحمت کا سبب قرار دیا اور ہولت

امت کے لئے ہر فعل کو خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو باعث اجر قرار دے دیا بشرطیکہ بعض
 لا پرواہی سے غلط روی اختیار نہ کی ہو دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیے کہ شریعت نے
 احکام کو دو طریقوں پر منقسم کر دیا ایک قطعی جن میں کرنے والوں کے فہم و سمجھ کو دخل
 نہیں رکھا جو واضح الفاظ میں بیان فرما دیئے اور ان میں توجہ و تاویل کی بھی گنجائش
 نہیں رکھی۔ تاویل سے بھی انحراف کرنے والے کو خطی و گمراہ قرار دیا۔ دوسرے وہ احکام
 ہیں جن میں شریعت نے تنگی نہیں فرمائی بلکہ اس میں امت کے ضعف پر نظر فرماتے ہوئے
 امت کی سہولت کو مد نظر رکھا اور اس میں توجہ و تاویل کی وجہ سے عمل نہ کرنے والوں
 کو خطی اور بدین سے تعبیر نہیں فرمایا۔ قسم اول کو اعتقادات سے تعبیر کیا جاتا ہے
 اور قسم ثانی کو جزئیات فرعیات شریعات وغیرہ و غیرہ اسما سے پکارا جاتا ہے اس
 دوسری نوع میں حقیقت الامر یہ ہے کہ شریعت نے اس میں خود ہی تنگی نہیں فرمائی۔
 اس لئے اس کو تفصیل کے ساتھ کہ ارکان و واجبات وغیرہ خود شارع کی جانب
 سے مقرر و مفصل ہو جاتے تو یہ بھی نوع اول میں داخل ہو کر امت کے لئے سخت تنگی کا
 سبب ہو جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی اختلاف سے خلو مشکل ہوتا۔ اسلئے
 کہ وہ محتاتی سب کے سب الفاظ ہی کے ذریعہ سے ارشاد فرمائی جاتیں۔ اور الفاظ میں پھر
 مختلف محامل نکالنا قریب تھا۔ الغرض شریعت مطہرہ نے احکام کو اصول و فروع دو
 امر میں منقسم فرما کر امر اول میں اختلاف کی سختی سے ممانعت فرمادی چنانچہ آیت مقدسہ
 شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً و ابراہیم و موسیٰ
 و عیسیٰ ان اقيموا الدین ولا تفرقوا فیہ الا یہ میں اختلاف فی الدین کی
 ممانعت ہے اور قسم دوم میں اختلاف کو امت کے لئے رحمت کا سبب قرار دیا۔ اور اسی
 وجہ سے اس نوع کے اختلافات میں جس کے سینکڑوں واقعات نبوی دور مقدس میں گذرے
 ہیں تشدد نہیں فرمایا اشتد کے طور پر دو واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ نساہی
 نے طارق کے واسطے سے دو صحابہ کا قصہ نقل فرمایا کہ وہ دونوں جنبی ہوئے ان میں سے

ایک نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی (غالباً تیمم کا نزول اس وقت نہیں ہوا ہوگا۔
یا ان کو نہیں پہنچا ہوگا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی۔ دوسرے
صحابی نے تیمم سے نماز ادا فرمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی تصویب فرمائی۔
اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبیلہ بنو قریظہ میں نماز عصر
پڑھنے کا حکم فرمایا اس پر عمل کرتے والوں میں سے بعض نے وہاں عصر پڑھنے کے حکم کو
اصل قرار دیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی اگرچہ نماز کو تاخیر ہوئی مگر ان لوگوں نے
ظاہری امثال امر کو ضروری خیال فرمایا۔ دوسری جماعت نے اسی امر کا حقیقی مقصد
بجائے پہنچا سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے دونوں فریق پر اعتراض نہیں فرمایا، بخاری میں یہ مفصل قصہ موجود ہے اسی طرح
کے اور بہت سے واقعات ہیں بالجملہ فرعی اختلاف اور چیز ہے اور اصولی اختلاف
اور ہے جو لوگ اس اختلاف اصولی اختلاف کے مشابہ سمجھ کر ایسی روایات و آیات کو
اس پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں جو اختلاف مذموم کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کی
تاواقیفیت یاد دھوکہ دہی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے اس
فرعی اختلاف میں بڑی وسعت و سہولت رکھی ہے اگر یہ صورت نہ ہوتی تو امت کے
لئے اس قدر تنگی پیش آجاتی کہ تحمل سے باہر ہو جاتا۔ اسی وجہ سے ہارون رشید نے جب
بھی امام مالکؒ سے یہ درخواست کی کہ وہ موطا امام مالک کو بیت اللہ شریف پر لٹکا کر
امت کو اس پر عمل کا امر کر دیں تاکہ افتراق نہ رہے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
کبھی بھی اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ یہی جواب دیا کہ صحابہ مسائل فرعیہ میں مختلف
ہیں اور وہ سبب منسب میں بلاد متفرقہ میں دونوں کے اقوال و مسائل معمول ہیں
ہیں ان کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ایسے ہی جب منصور نے حج کیا اور امام مالکؒ سے
درخواست کی کہ آپ اپنی مؤلفات مجھے دیکھئے تاکہ میں ان کی نقلیں بلاد اسلامیہ میں
شائع کر دوں۔ اور مسلمانوں کو حکم کر دوں کہ ان سے متجاوز نہ ہوں تو آپ نے فرمایا۔

کہ امیر المؤمنین ایسا سرگز نہ کیجئے لوگوں کے پاس احادیث و اقوال صحابہ پہنچے ہوئے ہیں وہ ان پر عامل ہیں ان کو اسی کے موافق عمل کرنے دیجئے یہی منشا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میری امت کا اختلاف رحمت کا سبب ہے اور یہی وہ کھلی رحمت ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے آج ہر امام کے نزدیک مختلف فیہ مسائل ہیں دوسرے کے مذہب پر شرعی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو کسی ضرورت سے بھی اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا بغرض حقیقت میں اختلاف آئمہ شرعاً مطلوب ہے جس میں ایک ہی فائدہ نہیں جو مذکور ہوا اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد مستتر ہیں جو اگر وقت نے مسامت کی تو انشاء اللہ دور ثالث کے ابحاث میں آئیں گے اس وقت یہ بحث مقصود نہیں یہاں صرف اسی قدر ضروری تھا جن لوگوں کی مسائل فقہیہ پر کچھ بھی نظر ہے وہ اس مفاد کو بہت ہی سہولت سے سمجھ سکتے ہیں،

علامہ شعرانی اپنی کتاب المیزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ عزیز من اگر تو بظن انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہو جاوے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلد سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اور اس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہو گا اس لئے کہ یہ امر ذہن نشین ہو جاوے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں اور ان کے مختلف اقوال امت کے لئے رحمت ہو کر نازل ہوئے حتیٰ تھا شائد جو علیم و حکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو مقتضی تھی حتیٰ سبحانہ تعالیٰ اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔ عزیز من مبادیچہ پر یہ امر مشتبہ ہو جاوے کہ تو ائمہ کے فسرعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اور اس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جاوے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے عتلاف فرمائی کہ رحمت قرار دیا ہے۔

درحقیقہ ائمہ کے جملہ اقوال مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف اختلاف اور فرق ائمہ کے اقوال میں آتا ہے کہ کسی حکم شرعی کے متعلق ایک امام نے اصل حکم اور عزیمت کو اختیار کیا دوسرے نے رخصت کو راجح سمجھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ائمہ کے اقوال میں تنحییر کا قائل ہوں کہ جس شخص کا دل چاہے اصل عزیمت پر عمل کر لے اور جس کا دل چاہے رخصت کو اختیار کر لے جیسا کہ بعض طلباء کو میرے کلام سے دھوکا ہو گیا نہیں نہیں ایسا نہیں کہ یہ تو دین کو کھلونا بنانا ہے بلکہ ہر امام نے ان دو طریقوں میں سے ایک کو اختیار کیا ہے لیکن جو مختار ہے وہ اس کے مقلدین کے لئے وجہی طریقہ ہے۔ میں نے یہ جو کچھ رائے قائم کی ہے ائمہ کے ساتھ محض جن قلم پر قائم نہیں کر لی بلکہ ہر امام کے اقوال اور ان کے ماتخذ اور مستدلات کے تتبع کے بعد اختیار کی ہے جس شخص کو اس کا یقین نہ آوے وہ میری کتاب المنہج المبین فی ادلۃ المجتہدین دیکھے اس وقت اس کو میری تصدیق ہو جاوے گی میں نے اس میں ہر امام کے مستدلات کو جمع کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ رائے قائم کی ہے وہ سب ہدایت پر تھے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک کسی شیخ کامل کی فیض صحبت سے منازل سلوک طے نہ کئے جاویں یہ حقیقت کما حقہ منکشف نہیں ہوتی پس اگر تو بھی اس کا مزہ چکھنا چاہے تو کسی کامل کے پاس جا کر ریاضت کر تا کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ میں اس امر میں کچھ من گھڑت نہیں کہتا مشائخ کے کلام سے اس کی تائید ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ :

آدمی جب کسی خاص مذہب کا پابند ہو کر مقامات میں ترقی کرتا ہے تو منتہا پر وہ ایسے دریا پر پہنچتا ہے جس سے سب ائمہ بھر رہے ہیں اس وقت اس کو جملہ ائمہ کے مذاہب حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کی مثال بعینہٴ رسل کی سی ہے کہ حضرت وحی کا مشاہدہ ہوتا ہے اس وقت تمام شرائع کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔
اتہی ملخصاً۔

علامہ شعرانی کا یہ نفیس مضمون جو تقریباً سو صفحہ پر ختم ہوا ہے آپ زور سے لکھنے کے قابل ہے درحقیقت اس مقصد میں بے حد نافع اور مفید تمام مضمون مستقل ترجمہ کر کے شائع ہونے کے قابل ہے۔

مجھے اس جگہ پر اشارۃً صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ درحقیقت یہ اختلاف ائمہ جو بادی الرائے میں افتراق معلوم ہوتا ہے حقیقتاً افتراق نہیں اور جس درجہ میں ہے اس میں رہنما ایک نہایت ہی لایہ دی امر ہے جس کا عدم بھی امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہے۔ اور چونکہ اختلاف ثمر ہے اختلاف روایات و احادیث کا اس لئے ان میں بھی دینی مصلحت اسی کی مقتضی تھی کہ ان کو اجمالی حالت میں اتارا جاوے اگر وہ حقائق شرعیہ عقائد کی طرف سے قطعی طور پر نازل کئے جاتے تو اختلاف ائمہ کی گنجائش نہ رہتی۔ اور اس وقت اختلاف مگر اسی کا سبب ہوتا اور علم اختلاف امت کے لئے تنگی کا باعث ہوتا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق نصوص سے استنباط اور اخذ کرے خواہ اس کی قابلیت رکھتا ہو یا نہیں کہ یہ سخت مگر اسی کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اختلاف بھی ممدوح نہیں بلکہ مذموم اختلاف وہی ہے جو شرعی قواعد اصول کے ماتحت ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کے قصہ میں بعض اپنی سمجھ کے موافق استنباط کر کے والوں کو جہل سے تعبیر فرمایا ہے **فله الحمد علی ما یسر لنا الدین فانه لطیف خبیر و سواف یعبادہ بصیر۔**





اختلاف روایات کا دوسرا دور

ان وجوہ کے علاوہ جو دور اول میں گذر چکے ہیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اور
بھی مخصوص وجوہ و اسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے روایات حدیث میں

اختلاف ہوا اور ہونا لازمی تھا۔ جس کی بڑی وجہ روایات بالمعنی تھی یعنی صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت باللفظ کا اہتمام نہیں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیتا تھا۔ کما فی مصنف عبدالرزاق عن ابن سیرین قال کنت اسع الحديث من عشرة کلھدیختلف فی اللفظ والمعنی و احد ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس مشائخ سے سنا جس کو ہر ایک نے مختلف الفاظ سے روایت کیا اور معنی ایک تھے علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابو حاتم کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں۔ و لحدار من المحدثین من یحفظ ویاتی بالمحدث علی لفظ واحد لا یغیرہ سوخ قبیصۃ یعنی قبیصہ کے سوا میں نے کسی محدث کو ایسا نہیں پایا کہ وہ الفاظ حدیث کو بعینہ ذکر کر دے۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں اس بحث کو مفصل لکھا ہے جس میں علماء کے فن کا اختلاف بھی اس بارہ میں نقل کیا ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں لیکن ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ان شرائط کے ساتھ جو روایت کرنے والے کے اندر موجود ہونی ضروری ہیں روایات بالمعنی جائز ہے طبرانی اور ابن مندہ کی ایک حدیث سے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے جس میں عبد اللہ بن سلیمان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استفسار نقل کیا ہے کہ میں جن الفاظ کو حضور سے سنا ہوں اس کے بعینہ نقل پر قادر نہیں ہوں حضور نے اگر معنی پورے ہو جاویں تو لفظ بدلنے کی صورت میں روایات کی اجازت فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پورے لفظ یاد رہنے بھی مشکل ہیں اسی وجہ سے کچھول نے جب وائل بن الاسقع سے یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنادیں جو آپ نے حضور سے سنی ہو اور اس میں کسی قسم کا وہم کسی قسم کی کمی نہ ہوئی ہو

تو انہوں نے پوچھا کہ تم میں سے کوئی قرآن شریف پڑھا ہوا ہے مکھول نے عرض کیا کہ ایسے جید حافظ نہیں کہ کوئی غلطی واقع نہ ہو اس پر دالہ نے فرمایا کہ کلام اللہ شریف جو تم لوگوں کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے غایت درجہ اس کے الفاظ کے حفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اس میں بھی داؤ اور قاف کی غلطی رہ جاتی ہے پھر حدیث نبوی اس طریق پر کس طرح سنائی جاسکتی ہے حالانکہ بعض احادیث کو ایک ہی مرتبہ سنانے کی نوبت آئی ہے روایت حدیث میں معانی نبویہ کا ادا ہونا ہی کافی سمجھا کر دے۔

دکیع سے منقول ہے کہ اگر معنی ادا ہو جانے میں وسعت نہ دی جاتی تو امت ہلاک ہو جاتی۔ ابن العربی کی رائے ہے کہ روایت بالمعنی صرف صحابہ ہی کے لئے جائز ہے اور کسی کو جائز نہیں مگر قاسم بن محمد ابن سیرین حسن۔ زہری۔ ابراہیم شعبی وغیرہ جماعت نے اس کے جواز کو بشرائط مخصوصہ عام رکھا ہے۔ یہی اصل ہے اس امر میں کہ تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت نہیں فرماتی تھی بلکہ مسئلہ کے طور پر اس حدیث کو حکم شرعی کے تحت میں بیان فرماتے تھے اور منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے ایک بڑی وجہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر بیان نہ کرنے کی یہ بھی ہے اور چونکہ الفاظ بدینے کی صورت میں انور کی طرف نسبت کر کے روایت کرنا سخت خطرناک ہے کہ مبادا غلطی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط انتساب کی وعید شدید میں دخول نہ ہو جاوے اس لئے اکابر علماء ہمیشہ حضور کی طرف نسبت سے بچتے تھے اس لئے کہ کثرت کا سہو غلطی یا غلط فہمی یا خطا کا اس میں دخل نہ ہو سکے یہ دشوار امر ہے، اسی وجہ سے عبد اللہ بن مسعود حبیب جلیل القدر صحابی۔ وہ شخص جن کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ان کی حضور کے یہاں اس قدر آمد و رفت تھی

کہ ہم ان کو گھر والوں میں سے سمجھتے تھے وہ شخص جن کے لئے حضورؐ نے اپنے راز کی باتیں سننے کی بھی اجازت فرما رکھی تھی وہ شخص جن کو حضورؐ نے اپنی حیات میں تدلیس قرآن وحدیث کا درس بنایا، وہ شخص جن کے بارہویہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو امیر بناؤ تو ابن مسعود کو بنانا۔ وہ شخص جن کو حضورؐ نے بلاردک ٹوک آنے کی اجازت دی رکھی تھی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی فضائل جس کثرت سے وارد ہیں وہ بہت کم عام طور سے دوسرے صحابہ کے ہوں گے، اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے فقہ کے لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کو خاص مآخذ قرار دیا جس کو ہم اپنے موقع پر انشاء اللہ وضاحت سے بیان کریں گے اس وقت یہ بتلانا ہے کہ ان کثرت فضائل اور کثرت علوم اور کثرت احادیث کے باوجود عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کی نسبت حضورؐ کی طرف بہت کم کیا کرتے تھے ابو عمر و شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ان کو حضورؐ کی طرف نسبت کیسے حدیث فرماتے نہیں سنا اگر اتفاقاً کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہدیتے تو بدن پر لرزہ ہو جاتا تھا حضرت انسؓ جو حضورؐ کے خاص خادم رہے ہیں کہتے ہیں کہ اگر مجھے خطا اور غلطی کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایسی بہت سی احادیث سنا تا جو میں نے حضورؐ سے سنی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں میں داخل وعید نہ ہو جاؤں حضرت صہیب صحابی فرماتے ہیں کہ ان غزوات کے قصے جو حضورؐ کی معیت میں ہونے میں بیان کروں گا۔ لیکن اس طرح پر کہ حضورؐ نے ایسا کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضورؐ کی طرف نسبت کر کے بیان نہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ذر البسط کے ساتھ اس جگہ نقل کروں گا جہاں امام صاحب رضی اللہ عنہ کی قلت حدیث پر بحث کرنی ہوگی اس

جگہ ان واقعات کے مجملہ ذکر سے اتنا مقصد ہے کہ روایت بلقظہ چونکہ مشکل تھی اس لئے روایت بالمعنی نقل کی جاتی تھی اور اسی وجہ سے اجل صحابہ حضور کی طرف نسبت کم فرماتے تھے اور جب روایات کا بالمعنی ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے لئے اختلاف لا بدی اور ناگزیر ہے کہ تعبیرات مختلفہ سے روایت میں اختلاف ہوتا ہی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے دھال کے بعد جو خطبہ پڑھا اس میں احادیث نقل کرنے کی ممانعت فرمادی کہ یہ امت میں اختلاف کا سبب ہوگا۔

دور ثانی کی دوسری وجہ

صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اختلاف روایات کی وجہ یہ بھی پیش آئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم ارشاد فرمایا تھا اس وقت کے خصما نے اس کو سنا اور سمجھا لیکن بعد میں وہ منور ہو گیا۔ مگر اقل مرتبہ کے حاضرین میں سے بعض لوگ اس وقت موجود نہیں تھے وہ اسی طرح نقل فرماتے رہے چنانچہ متعدد روایات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عامہ شریف پر مسح فرمانا معلوم ہوتا ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک پہنچا ہے عامہ پر مسح کرنا ابتداء اسلام میں تھا پھر یہ حکم باقی نہیں رہا ایسے ہی ابو سعید خدری حضور کا قول نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب لیکن ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ابتداء زمانہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ لوگ خود ہی محنت مزدوری کرتے تھے، تنگ حالی کی وجہ سے ملازم وغیرہ رکھنے کی ہمت نہیں تھی اور اُون وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے تو محنت کے وقت پسینہ وغیرہ کی وجہ سے وہ سب بوجھ جاتے تھے اور نیز مسجد بھی تنگ تھی جس کی وجہ سے جب مسجد میں سب کا اجتماع ہوتا تھا تو پسینہ کی بونمازیوں کے

لیے تکلیف دہ ہوتی تھی اس وجہ سے غسل اور خوشبو کے استحصال کا حکم فرمایا تھا۔
 اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے وسعت فرمادی اور مسجد میں توسیع ہو گئی لہذا اب
 وہ حکم نہیں رہا، اسی قبیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہیں جن سے آگ سے
 پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹنا مسکون ہوتا ہے لیکن حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے
 ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضو نہ
 فرمانا تھا۔ یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ وضو کا حکم منسوخ ہے لیکن امام ابو داؤد
 کے نزدیک حضرت جابرؓ کی حدیث کا یہ مطلب نہیں اسی وجہ سے ہم ایک جگہ
 دوسرا قول بھی نقل کر چکے ہیں جن کے نزدیک آگ سے پکی ہوئی چیزوں میں وضو
 سے مراد وضو لغوی یعنی ماتھ منہ دھونا ہے نہ کہ مصطلح وضو۔

دورہانی کی تیسری وجہ سہو

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں یعنی معتبر راوی
 ہیں۔ ان کی جرح اور تضعیف نہیں کی جاسکتی چنانچہ اصحاب میں اہل سنت کا اس پر
 اجماع نقل کیا ہے لیکن سہو و نسیان وغیرہ لوازمات بشر یہ سب کے ساتھ
 لگے ہوئے ہیں، اس لئے نقل میں سہو ہو جانا بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے روایت
 پر عمل کرنے والے کے لئے منجملہ اور ضروریات کے یہ بھی اہم ہے کہ اس
 روایت کو اسی نوع کی دوسری روایات سے ملا کر دیکھیں کہ ان کے مخالف تو
 نہیں اگر مخالف ہے تو درجہ مخالفت کی تفتیح کرے اس نوع کی اشلہ کتب حدیث
 میں سینکڑوں ملیں گی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس امر
 کو سنا تو فرمایا کہ ابن عمر بھول گئے۔ حضورؐ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا۔ عمران
 بن حصینؓ کا مقولہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں وہ منسردہ ہوتے ہیں کہ دائرہ مجھے

اس قدر احادیث یاد ہیں کہ اگر دوزخ تک برابر روایت کر دوں تو کر سکتا ہوں مگر یہ امر راجح ہے کہ اور صحابہ نے بھی میری طرح سے احادیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے لیکن پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دیدہ و النستہ بھوٹ نہیں بولتے اگر میں بھی روایت کر دوں تو خوف ہے کہ ان میں نہ داخل ہو جاؤں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص حدیث سنتے تو اس کو قسم دیتے کہ اسی طرح سنتی ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ فن نے ہر شخص کو عمل بالحدیث سے روک دیا ہے تا وقتیکہ اس میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کہ صحیح کو سقیم سے صواب کو غلط سے واقعی کو غلط سے ممتاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اسی کے قریب اختلاف روایات کی ایک وجہ اختلاف ضبط ہے کہ نقل کرنے والوں سے واقعہ کے نقل کرنے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی یہ کچھ مستبعد بات نہیں بعض اوقات بڑے سے بڑے فہم عاقل سے بات کے سمجھنے میں نقل کرنے میں تغیر کرنے میں گڑبڑ ہو جاتی ہے چنانچہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قولہ نقل فرماتے ہیں کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رخصتے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر جرح فرماتی ہیں کہ واقعہ کے نقل کرنے میں غلطی ہوئی۔ اصل قصہ اس طرح ہوا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ایک یہودی عورت پر ہوا جو مر چکی تھی اور اس کے گھر والے اس پر درہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گھر رہے ہیں اور وہ عذاب قبر میں مبتلا ہے۔ تو حضرت عائشہؓ کے خیال کے موافق ان کے رخصتے کو اس کے عذاب میں کوئی دخل نہیں تھا، اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ اگر نہانے کی حاجت میں صبح صادق ہو جائے تو اس دن روزہ نہیں رکھ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کو نقل فرماتے ہیں، اور خود ان کا فتویٰ بھی یہی تھا، چنانچہ فتح الباری

کتاب الصوم میں بڑی تفصیل سے ان روایات کو جمع کیا گیا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ ازدواج مطہرات فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت نہانے کی ضرورت ہوتی تھی لہذا اس دن روزہ بھی رکھ لیتے تھے، ایک جماعت حضورؐ سے نقل کرتی ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر عورت یا کُشتا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ اس پر انکار فرماتی ہیں کہ یہ غلط ہے؛ فاطمہ بنت قیس نقل کرتی ہیں کہ تین طلاق والی عورت کے خورد و نوش اور مکان کا صرفہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حبشہ کی حدیث پہنچی تو فرمادیا کہ میں قرآنی حکم کو ایک عورت کے کہنے سے کس حد تک چھوڑ دوں۔

غرض بہت سی مسئلہ اس کی ملیں گی جہاں نقل کرنے والوں سے باوجود ان کے معتبر اور سچے ہونے کے غلطی کا صدور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے علمائے خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے بہت سے اصول مقرر کئے ہیں کہ ان پر روایت کو پرکھ لیا جائے، اگر قواعد کے موافق ہو تو عمل کیا جائے ورنہ نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ سے علماء حنفیہ رضی اللہ عنہم کے اس اصول کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو مضمون قرآنی کے موافق ہو اگرچہ دوسری طرف کے روایت کرنے والے ان کی بہ نسبت زیادہ ثقہ یا تعداد میں زیادہ ہوں اور یہ سب واقعات بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں جس کو ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنا اسی شخص کا کام ہے جو غلطی کو پہچان سکے۔ حیرت ہے کہ سونے کے خریدار پر کھنے کے لئے صراف کے محتاج ہیں، لیکن عمل بالحدیث کے لئے کسی جانچے پر کھنے والے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اس میں بلا کسی واقفیت کے اپنی شناس پر بولا گھنڈ ہے۔

دورثانی میں اختلاف روایات کی چوتھی وجہ

یہ بھی پیش آئی کہ صحابہ کرامؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جاں نثار اور واقعی عشاق تھے جو حضورؐ کی ہر ادائیہ پر سودل سے قربان ہونے والے تھے جو صحیح طور پر اس شعر کے مصداق تھے۔

دیتا جو کردگار مجھے بے شمار دل

کہ تا میں ہر ادائیہ سو سونشاد دل

صحابہ کے تعلق کی مسئلہ بھی حد بیان سے باہر ہیں ان میں کا ہر ہر واقعہ چھوٹی سے چھوٹی مثال ہے ایک ادائیہ سادہ حضرت انسؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ کا ایک صحابی کے مکان پر گذر ہوا جنہوں نے ایک کمرہ تعمیر کرایا تھا حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا ہے اور معلوم ہونے پر زبان سے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا لیکن جب وہ صاحب مکان حاضر خدمت ہوئے تو سلام کا جواب نہیں دیا مکرر سہ کرا انہوں نے لوگوں سے پچھا اور مکان کی طرف سے گزر فرمانے کا حال سنکر فوراً جا کر اس کمرے کو منہدم کر دیا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ حاضر ہو کر اطلاع کر دی ہو۔ شرم و ندامت کی وجہ سے خبر بھی نہیں کی، اتفاقاً دوبارہ جب خود ہی حضورؐ کا ادھر گذر ہوا تو معلوم ہوا۔ غرض وہ کبھی کبھی محبوب کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے ظاہر پر عمل فرماتے تھے ممکن ہے کہ بعض حضرات مطلب ہی وہ سمجھتے ہوں جس پر وہ عمل فرما ہوئے تھے لیکن یہ بھی بعید نہیں۔ بلکہ بعض الفاظ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ وہ خود بھی بعض اوقات سمجھتے تھے کہ حقیقی مطلب یہ نہیں، مگر چونکہ ظاہر لفظ یہ ہے اس لئے وہ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے ایک دروازہ کی طرف اشارہ کر کے

یہ فرمایا کہ ہم اس دروازہ کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تو اچھا تھا۔ حضرت
عبداللہ بن عمرؓ اس دروازہ سے کبھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔

ابوسعید خدریؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو نئے کپڑے منگا کر زیب تن
فرمائے۔ اور یہ کہا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں مرتا
ہے انہی کپڑوں میں حشر میں اٹھایا جائے گا۔

قرآن شریف کی آیت کما بداءنا اذل خلق نعیہ کی تفسیر میں
روایات مشہورہ سے ثابت ہے کہ حشر میں سب ننگے اٹھائے جائیں گے۔ متعدد
روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اور مستبعد ہے کہ ابوسعید خدریؓ کو حدیث
کا مطلب معلوم نہ ہو مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے صرف ظاہری لفظ پر عمل
فرما کر نئے کپڑے زیب تن فرمائے۔

اس نوع کی مثلہ بھی حدیث میں بکثرت ملیں گی گو یہ نوع بظاہر مستبعد معلوم
ہوتی ہے لیکن جن کو عبت کے گھاٹ سے کوئی گھونٹ ملا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ
محبوبؐ کے الفاظ بلا لحاظ مقصد و غرض کس قدر اہم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ
صحابہ رضی اللہ عنہم منسوخ روایا کو بھی نقل کرتے ہیں حالانکہ جب کوئی حکم منسوخ
ہو چکا اس کی تبلیغ کی اب ضرورت نہیں رہی اسی طرح ایسی بکثرت احادیث روایت
کی جاتی ہیں جو اجماعاً متردک النظار ہیں۔

اسی لئے محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علم حدیث کے تو نعل کے لئے اس کی
بصیرت اور اس میں زبانِ دقلم ہلانے کے لئے بڑے سخت قواعد مرتب فرمائے
ہیں، طالب حدیث کے لئے بھی قواعد و شرائط مقرر فرمائے ہیں محدث و معلم
کے لئے اس سے زیادہ اونچی اور سخت حدود و معین درجہ مائی ہیں اگرچہ مضمون ہے
ارادہ طویل ہو تا جا رہا ہے لیکن وقتی ضرورت سے امام بخاریؒ کی ایک عجیب حکایت
اس جگہ نقل کرتا ہوں جس سے یہ اندازہ ہو گا کہ علم حدیث کے حامل کرنے کے لئے اور

اس کا طالب علم بننے کے لئے بھی سلف صالحین نے کس قدر جان کا ہی کو ضروری قرار دیا ہے چہ جائیکہ محدثیت اور مشیخت ۔

قال السیوطی بسندہ
الی ابی المنظر محمد بن
حامد البخاری قال لما
عزل ابو العباس الولید
بن ابراهیم بن زید
الهمدانی عن قضا الدی
ورد بخاری فحملنی
معلی ابو ابراهیم
الختلی الیه وقال لیسالک
وان تحدث هذا الصبی عما
سمعت من مشائخنا فقال
مالی سماع قال فکیف
وانت فقیہ قال لا فی لما
بلغت مبلغ الرجال
تأقت نفسی اسم طلب
الحديث فقصدت محمد
بن اسماعیل البخاری۔

واعلمہ مراد مح
فقال یا بنی لا
فی امر

محمد بن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید
بن ابراہیم مقام رسی کی قضا سے
معذور ہو کر بخارا پہنچے تو میرے
استاد ابو ابراہیم خلی مجھے ساتھ
لے کر ان کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور ان سے درخواست
کی کہ آپ نے جو روایات حدیث
ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے
سنی ہیں۔ اس کو روایت کر دیجئے۔
انہوں نے فرمایا کہ میں نے ہمارے
کی روایات نہیں سنیں میرے
استاد نے تعجب پر چھا کہ آپ
اتنے بڑے فقیہ متبحر ہو کر ایسی
بات فرماتے ہیں انہوں نے
اپنا قصہ سنایا کہ جب میں عاقل
بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث
کا شوق ہوا تو میں امام بخاریؒ
کی خدمت میں حاضر ہوا اور
اپنی غرض ظاہر کی انہوں نے
ناصحتہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب

الا بعد معرقۃ حدود و
والوقوف علی مرادہ
واعلم ان الرجل
لا یصیر محدثاً کمالاً
فی حدیثہ الا بعد
ان یتکب اربعاً
مع اربع کسایع مثل
اربع فی اربع عند
اربع مایربع علی
اربع عن اربع
لاربع۔

وکل هذه الرباعیات
لا تتم الا بأربع
مع اربع فاذا تمت
لہ کلہا ہان
علیہ اربع وابتلی
بأربع فاذا صبر
علی ذالک اکدمہ
اللہ فی الدنیا
بأربع واثابہ
فی الاخرہ بأربع
قلت لہ فسر لی

کسی کام کا ارادہ کرو تو اس سے
پہلے اس کے متعلق اس کے
لوازمات، حالات دریافت
کر لینا چاہئیں۔ اس کی حدود
معلوم کرنے کے بعد اس کا ارادہ
کرنا چاہیے۔

اب سنو! کہ آدمی محدث
کامل اس وقت نہیں ہو سکتا
کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے
ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں
کیا تھ۔ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار
حالات کیا تھ چار مقامات میں چار
چیزوں پر چار نوع کے اشخاص
سے چار اغراض کے لئے۔

اور یہ سب چو کڑے پورے نہیں
ہو سکتے مگر چار چیزوں کے
ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ
ہوں اور جب یہ سب پورے
ہو جائیں تو اس پر چار چیزیں
سہل ہو جاتی ہیں، اور چار مصائب
کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے۔ اور جب
ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شائد

چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں
اکرام فرماتے ہیں۔

اور چار چیزیں آخرت میں نصیب
فرماتے ہیں۔

میں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم
فرمائیں۔ ان چو کڑوں کی تفسیر تو

فرمادیجئے، انہوں نے فرمایا ان
سنو! وہ چار جن کے لکھنے

کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمود

احادیث اور احکامات اور صحابہ
کے ارشادات اور ان صحابہ کے

مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا
ہے اور تابعین کے ارشادات اور

ان کے حالات کہ کون شخص معتبر
ہے اور کون غیر معتبر اور جلیلہ علماء

روایات کے حالات اور ان کی
تولذہ منہج مع ان چار چیزوں کے

کہ ان کے اسماء رجال لکھے ان
کی کیفیتیں ان کے رہنے کے

مقامات اور ان کے پیدائش
وفات کے زمانے (جس سے

رحمہ اللہ ما

ذکرت من احوال

ہذہ الرباعیات

قال نعم اما

الاربعۃ التي يحتاج

الی کتبها هي

اخبار الرسول

صلى الله عليه

وسلم وشرائعه

والصحابۃ ومقاديرهم

والتابعين و

اجوالهم وسائر

العلماء وتواريخهم

مع اسماء رجالها

وکنامهم

واممکتهم وازمنتهم

کالتحمید مع

الخطیب مع الرسل

والبسملة مع

السورة والتکبیر

مع الصلوة

مثل المسندات

والمسرات
والموقوفات
والمقطوعات
فی صغره
وفی ادراکھ
وفی شبابہ
وفی کھولتہ
عند شغلہ وعند
فراغہ وعند
فقرہ وعند
غناہ بالحبال
والبحار والبلدان
ولبارعی
علی الاحجار
والاصداف
والجلود والکفاف
الحی الوقت
الذی یمکنہ
نقلہا الی
الاوراق
عمن هو
فوقہ وعمن هو

یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں سے
روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات
بھی ہوئی ہے یا نہیں) یہ ایسی
لازمی ہیں جیسے خطبہ کے ساتھ
حمد و ثنا اور رُسل کے ساتھ دعا
یعنی ان پر صلوٰۃ و سلام اور سورۃ
کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے
ساتھ تکبیر (اور مثل چار چیزوں
کے) جیسے منادات، مرسلات،
موقوفات، مقطوعات، تاکہ یہ
علم حدیث کی چار اقسام کے
نام ہیں (چار زمانوں میں) بچپن
میں، قریب البلوغ زمانہ میں
بالغ ہونے کے بعد اور بڑھاپے
سے پہلے تک (حاصل کرتا ہے)
اور چار حالات کا مطلب یہ ہے
کہ مشغولی کے وقت فراغت کے
وقت، تنگی میں بلور تنگی
میں۔

غرض ہر حال میں اسکی کی طرف
لگا رہے اور اسی کی دُھن ہو (چار
مقامات میں) یعنی پہاڑوں پر

مثله دعن هو فوقه وعن هو مثله
 وعن هو دونہ وعن کتاب
 ابیہ بتیقن انہ
 یخط ابیہ دون
 غیرہ لوجہ اللہ تعالیٰ
 طالباً لمراضاتہ
 والعمل بما وافق
 کتاب اللہ تعالیٰ
 منها ونشرها
 بین طالبیہا والتالیف
 فی احیاء ذکرہ
 بعدہ ثم لا تتم
 لہ هذه الاشیاء
 الا باریع ہی من
 کسب العبد
 معرفة الکتابہ
 واللغة والصرف والنحو
 مع ارایع ہن
 من اعطاء
 اللہ تعالیٰ المصیبة
 والقدرة والمرح
 والحفظ فاذا صحت

دریاؤں میں، شہروں میں،
 جنگلوں میں، غرض جہاں جہاں
 کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے
 اس سے حاصل کر لے (چار
 چیزوں پر) یعنی پتھروں پر،
 سیپوؤں پر، چمڑے پر، مٹیوں پر
 غرض اس وقت تک کہ کاغذ ملے
 اور اس پر لکھنے اور نقل کرنے
 کی نوبت آوے جو چیز ملے اس
 پر لکھ دے تاکہ مضمون ذہن سے
 نہ نکل جاوے۔
 اور جن چار حاصل کر کے وہ اپنے
 سے بٹے اور چھوٹے اور برابر کے
 اور اپنے باپ کی کتب سے شریک
 اس کا خط پہنچاتا ہو (غرض جس
 طرح بھی معلوم ہو سکے کوتاہی نہ
 کرے نہ اپنے سے برابر کے یا
 چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار
 کرے)۔

چار چیزوں کی نیت سے سب سے
 مقدم حق سبحانہ و تقدس کی رضا
 کے واسطے کہ آپ کی رضا کا طالب

له هذه الاشياء
 هان عليه اربع
 الاهل والولد و
 المال والوطن وابتي
 يارب شامة الاعداء
 وملامة الاصدقاء
 وطعن الجاهلاء
 وحسد العلماء
 فاذا صبر على
 هذه المحن اكرمه
 الله تعالى في
 الدنيا يارب
 بعز القناعة بهيمة
 اليقين وبلدة العلم
 وحيياة الابد و
 اثابة في الاخرة
 يارب بالشفاعة
 لمن اراد من
 اخوانه ويظل
 العرش حيث
 لا ظل الا ظله وليست
 من اراد من

رہنا غلام کا فرض ہے، دوسرے
 جو مضامین کتاب اللہ کے موافق
 ہوں ان پر عمل تیسرے طالبین و
 شائقین تک پہنچانا چوتھے تصنیف
 و تالیف کے بعد میں آنے والوں کیلئے
 شیعہ ہدایت باقی رہے اور یہ سب
 مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتی مگر
 چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کسی
 میں کہ آدمی اپنی محنت سے شقت
 سے ان کو حاصل کر سکتا ہے وہ
 علم کتابت اللہ اور علم لغت
 لہ جس سے الفاظ کے مطالب
 معلوم ہو سکیں اور صرف و نحو کہ
 جن سے الفاظ کی صحت معلوم ہو سکے
 اور یہ سب ایسی چار چیزوں پر
 موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی
 عطائے محنت میں بندہ کے کسب
 پر موقوف نہیں وہ صحت قدرت
 حرص علی التعلیم اور خافظہ - اور
 جب یہ سب حاصل ہو جائیں تو
 اس کی نگاہ میں چار چیزیں خفیر
 ہو جاتی ہیں اہل اولاد مال اور

حوض محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم
 و بجوار النبیین
 فی اعلیٰ علین
 فی الجنة فقد
 اعلمتک یا بنی
 بحملات جمیع ما
 کنت سمعت
 من مشائخی متفرقا
 فی هذا الباب
 فاقبل الان علی
 ما قصدت فی له
 اودعه ۔

وطن، اور پھر چار مصائب میں مبتلا
 ہو جاتا ہے دشمنوں کی شہادت و دہشتوں
 کی ملامت جاہلوں کے طعنہ اور
 علما کا حسد اور جب آدمی ان سب
 پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ
 چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے
 ہیں، اور چار آخرت میں، دنیا
 کی چار حسب ذیل ہیں اول شفاعت
 کے ساتھ عزت، دوسرے کمال
 یقین کے ساتھ وقار و ہدایت،
 اور تیسرے لذتِ علم اور چوتھے
 دائمی زندگی۔ اور آخرت کی چار
 یہ ہیں اول شفاعت جس کی دل چاہے۔
 دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس
 دن کہ اس کے سوا کوئی سایہ ہی
 نہیں ہوگا۔ تیسرے عوض کوثر سے
 جس کو دل چاہے پانی پلنے۔
 چوتھے انبیاء کا قرب اعلیٰ علین۔
 پس بیٹا! میں نے جو کچھ اپنے شاخ
 سے متفرق طور پر بتا تھا بجملاً سب بتا
 دیا ہے، اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث
 کا شغف اختیار کر یا نہ کر فقط ۔

یہ وہ اصول و قواعد ہیں جو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ہر اس شخص کے واسطے جمع فرمائے ہیں جو محدث اور عالم حدیث بننے کا ارادہ رکھتا ہو، ہم لوگوں کو حقیقتاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت سے سبق لینا چاہئے، اور دانتوں سے اس کو کچر ٹھکانا چاہئے۔ حقیقہ یہ ہے کہ علم حدیث اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور اس تکاسل کے زمانہ میں جبکہ غتبائے علم کی آخری میڑھی صحاح ستہ کی چند کتابیں ہوں اپنے کو محدث سمجھ لیتا یا اپنے کو علم حدیث کا فاضل تجویز کر لیتا اس بندر کی مثال کے بہت ہی مشابہ ہے جو ایک ہدی کی گرہ سے اپنے کو پیساری کہلانے کا شائق ہو۔ حقیقتاً اس جہل کے زمانہ میں علم دین کی جس قدر مٹی خراب ہم نیم مولویوں کی جماعت سے ہو رہی ہے اس کی مثال شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی سابقہ قرن میں نہ مل سکے گی۔ جس کی واحد وجہ اپنی فضیلت پر اعتماد اپنی معلومات ناقصہ پر وثوق حالانکہ متاخرین نقہائے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کی بھی اس زمانہ میں اجازت نہیں دی بلکہ اس کے مثل سابقہ فتاویٰ میں سے حکم نقل کر دینے کی اجازت دی ہے، مگر اس دور میں مسئلہ مسائل تو درکنار ثربی سے بڑی علمی تحقیق اپنے وجدان اپنی سمجھ کی رہیں منت بن گئی۔ قال اللہ المشتکی وهو المستعان۔ بالجملة یہ مضمون اپنے وجود ضروری ہونے کے باعث سے خارج ہے اس لئے اس کو ترک کر کے اپنے مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں کہ دور ثانی میں اختلاف روایات کی وجہ کثیرہ ہیں سے مثال کے طور پر چارہ وجوہ پر قناعت کر کے آگے چلتا ہوں کہ اس کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین ائمہ مجتہدین ائمہ محدثین غرض جس قدر مشکوٰۃ نبوۃ سے بعد ہوتا گیا وجوہ اختلاف بڑھتے گئے اور بڑھنا بدیہی ہے کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں یہ وجہ حقیقتاً بہت سی انواع اور وجوہ کو شامل ہے لیکن تطویل کے خیال سے ان سب کو ایک وجہ میں شامل کر کے پانچویں وجہ اس دور کی تشریف دیتا ہوں کہ مضمون زیادہ طول نہ پکڑے۔

(مختصر پانچویں وجہ) کثرت و سائط ہے کہ احادیث کی روایات میں جس قدر واسطے بڑھتے گئے سابقہ سب وجوہ کی بنا پر اتنا ہی اختلاف پیدا ہوتا گیا یہ وجہ بدیہی ہے ہر شخص کو پیش آتی ہے ہر شخص سمجھتا ہے کہ کسی قاصد کے ہاتھ آپ ایک بات کہلا کر بھیجے لیکن اگر درمیان میں چند واسطے ہو جائیں گے تو اس میں اختلاف لازمی اور بدیہی ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث نے روایات کی وجوہ ترجیح میں علو سند یعنی واسطوں کے کم ہونے کو ایک بڑی وجہ قرار دی ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ کو اگر منظور ہے تو اپنے موقع پر تفصیل سے میں پیش کروں گا۔ یہاں پر اجمالاً اتنا متنبہ کرنا ضروری ہے کہ عقلاً نقلاً تجربہ مشاہدہ کثرت و سائط اختلاف کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہی اختلاف روایات کی بڑی اور سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ عنہ کے فقہ کو دوسرے ائمہ فقہاء اور تمام محدثین کے اقوال و روایات پر ترجیح ہونے کی منجملہ اور وجوہ کثیرہ کے جو اپنے موقع پر واضح ہیں یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اجمالاً امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں واسطے بہت کم ہیں تو توضیح کے لئے اجمالی طور پر مشائیر ائمہ کی تاریخ ولادت و وفات پیش کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ	»	ولادت ۸۰ھ	وفات ۱۵۰ھ	کل عمر ۷۰
امام مالکؒ	»	» ۹۵ھ	» ۱۶۹ھ	» ۷۴
امام شافعیؒ	»	» ۱۵۰ھ	» ۲۰۳ھ	» ۵۴
امام احمد بن حنبلؒ	»	» ۱۶۳ھ	» ۲۴۱ھ	» ۷۷
امام بخاریؒ	»	» ۱۹۳ھ	» ۲۵۶ھ	» ۶۲
امام مسلمؒ	»	» ۲۰۵ھ	» ۲۶۱ھ	» ۵۷
امام ابو داؤدؒ	»	» ۲۰۲ھ	» ۲۷۵ھ	» ۷۳
امام ترمذیؒ	»	» ۲۰۹ھ	» ۲۷۹ھ	» ۷۰

امام نسائیؒ ۲۱۲ دلاوت ۲۱۲ وفات ۲۳۲ کلتر ۸۹

امام ابن ماجہؒ ۲۰۹ ۲۱۲ ۲۱۲ ۲۱۲ ۲۱۲ ۲۱۲

اس توضیح کے بعد یہ امر بہت ہی واضح ہو جاتا ہے کہ امام بخاری امام مسلم رضی اللہ عنہما تک روایت کے لئے ہیں جب کہ حضورؐ کے زمانہ کو تقریباً دو سو برس گزر چکے ہیں بہت سے وسائل کا اضافہ ہو جاوے گا بخلاف امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ کے زمانہ کے کہ وہاں سو برس بھی فصل نہیں۔ بالجلہ کثرت وسائل روایات کے اختلاف کا سبب ہو کرتی ہے اور تمدن کتب حدیث چونکہ دوسری صدی میں بالعموم شروع ہوئی اس لئے اس وقت نقل کرنے والوں کی کثرت وسائل کی وجہ سے روایات کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف ہو گیا۔

(اختلاف روایات کی چھٹی وجہ ضعف روایات ہے کہ انہی کثرت وسائل میں بعض راوی ضعیف غیر معتبر بھی آگئے کہ بعض لوگ حافظہ کی خرابی یا کسی عارضی کی وجہ سے کچھ سے کچھ نقل کرتے تھے انہیں میں بعض روایات ایسے بھی تھے جن کو اپنے حافظہ یا کتب پر اعتماد تھا لیکن ان میں کسی حادثہ کی وجہ سے کوئی ایسا عارضہ پیش آگیا جس کی وجہ سے روایات میں گڑبڑ ہونے لگی غلط روایات نقل کی جانے لگیں اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ہر راوی کے حالات سے واقف ہو اور اس میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور یہی وجہ ہے مشائخ حدیث نے عامی شخص کو حدیث پر عمل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

شرح اربعین نوید میں ہے۔

من اراد الاحتجاج بحديث
جو شخص کتب سنیں گے حدیث سے

من السنن کلبی داود
استلال کا ارادہ کرے جیسے

والترمذی والنسائی
ابوداؤد ترمذی، نسائی وغیرہ

وابن ماجة
بالخصوص ابن ماجہ مصنف ابن

ومصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق
 وعبد الرضا ای ونحوهما
 مما تكثر فيه الضعف
 وغيره او بعد بث من
 المسانيد فان تاهل
 لتمييز الصحيح من غيره
 امتنع ان يحتج بحديث
 من ذلك حتى ينظر
 في اتصال سنده حال
 روايته وان لم يتاهل
 له فان وجد اماماً
 قلده والا لم يجد
 لمالا احتجاج به لسلا
 يقع في الباطل -

ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق
 اور ان جیسی کتب جن میں غنائ
 روایتیں بکثرت ہوں۔ وہ اس
 کا اہل ہے کہ حدیث صحیح کو غیر صحیح
 سے ممتاز کرے تب بھی اسکے
 لئے ناجائز ہے کہ اس حدیث
 کو حجت بنا لے تاکہ اس
 کے اتصال کی تحقیق نہ کر لے اور
 رواۃ کا حال متع نہ کرے اور اگر
 اس کا اہل ہی نہیں تو اگر کوئی
 امام ہو تو اس کی تقلید ضروری ہے
 ورنہ اس کے لئے احتجاج جائز
 نہیں۔ مبادی کسی امر باطل میں
 نہ پڑ جائے۔

اس مضمون کو ہم اپنے موقع پر اشارۃً وضاحت سے دکھلا دیں گے کہ
 جمہور فقہاء اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس شخص کو روایات کی صحت و
 ضعف پہچاننے کا سلیقہ نہ ہو مانع و منسوخ کو ممتاز نہ کر سکتا ہو عمومی احکام کو خصوصی
 ارشادات سے جدا نہ کر سکتا ہو اس کو عمل بالحدیث جائز نہیں اور حقیقتاً یہ امر کسی
 کی تصریح کا محتاج بھی نہیں اس قدر یہی بات ہے کہ جو شخص صحیح کو سقیم سے
 جدا کرنے پر قادری نہیں وہ اس پر عمل کس طرح کر سکتا ہے۔

(ساتویں وجہ) اس دور کی یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد حسب ارشاد آقائے
 دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کذب کا ظہور ہوا لوگوں نے عمداً جھوٹ بولنا

شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے علماء محدثین نے موضوعات کی کتب تالیف نہ فرمائی، ان جھوٹے لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اپنے انغراض کی وجہ سے حدیث گھڑ دیتے تھے۔ ایسی حالت میں جس قدر بھی اختلاف روایات میں واقع ہو کم ہے۔ ابن اسماعیل ایک شخص کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ میں خوانسار کا شیخ تھا۔ پھر اس کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو اس وقت اس نے یہ نصیحت کی کہ حدیث حاصل کرنے کے وقت اس کے رواۃ کی تحقیق کر لیا کرو۔ ہم لوگ جب کسی بات کو پھیلا نا چاہتے تھے اس کو حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ حماد بن سلمہ ایک رافضی کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ ہم اپنی مجالس میں جب کسی امر کو تجویز کرتے تھے تو اس کو حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ مسیح بن جہم ایک بدعتی کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ جب وہ تائب ہو تو اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ ہم نے بہت سی باطل روایات تم سے نقل کی ہیں اور تمہارے گمراہ کرنے کو ہم ثواب سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حفاظ حدیث نے ان مقولوں کو اپنی اپنی جگہ ذکر فرمایا ہے بالخصوص حافظ نے لسان کے شروع میں۔ میری غرض ان کے ذکر سے اس کا ثبوت تھا کہ خود گھڑنے والے اقرار کرتے تھے کہ ہم نے جھوٹی روایات گھڑی ہیں اور یہ نوع حقیقت میں بہت سی اقسام کو شامل ہے بعض لوگ تو اپنے ان انغراض کے لئے گھڑتے تھے جن کو وہ دین سمجھتے تھے جیسے روافض خوانسار وغیرہ وغیرہ جن کے مقولے پہلے گزرے اس وجہ سے محدثین نے ان قواعد میں جو حدیث پر عمل کرنے کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان میں منجملہ اوثر لفظ کے یہ بھی ذکر فرمایا کہ جس شخص کے رفق کا حال اس کا درجہ حال سے معلوم ہو فضائل اہل بیت میں اس کی روایت معتبر نہیں۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ زمانہ نے چودہ ہزار احادیث گھڑی ہیں جن میں سے ایک شخص عبد الکریم بن ابی العوجا ہے جس کو مہدی کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا وہ سولی پر چڑھایا جا رہا تھا اس وقت اس نے کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی

ہیں جن میں حلال اشیا کو حرام بنایا اور حرام کو حلال بنایا۔ اور بعض لوگ محض کسی امیر یا بادشاہ کے خوش کرنے کے لئے حدیث گھڑ دیتے تھے جن کے قصے موضوعات میں بالتحقیق درج ہیں اور ان اقسام میں جن پر ائمہ حدیث نے زیادہ کلام کیا ہے صوفیہ اور داعظین کی روایات ہیں کہ صوفیہ کو ان کے حسن ظن کی بنا پر ہر شخص کے قبول پر اعتماد ہو جاتا ہے اور اس بنا پر وہ اس کو سچا سمجھ کر دوسرے سے نقل کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کے اعتماد پر اوروں سے نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنے صحیح کے شروع میں اس پر کلام فرمایا ہے اس طرح داعظین کی روایات کہ وہ بے اوقات جمع پر رنگ جمانے کے واسطے غلط روایات نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا تو مذہب یہی ہے کہ امور آخرۃ میں رغبت دلانے کے لئے یا خوف پیدا کر دینے کے خیال سے حدیث کا گھڑنا جائز ہے۔

داعظین کی روایات بالخصوص کتب موضوعہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد ایک داعظ نے دغظ شروع کیا اور انہی دونوں حضرات کے واسطے حدیث نقل کرنی شروع کی جب وہ دغظ ختم کر چکا تو امام یحییٰ بن معین نے اس کے اشارے سے بلایا وہ یہ سمجھ کر کہ یہ کچھ دینے کے لئے اشارہ کر رہے ہیں قریب آیا۔ انہوں نے پوچھا یہ حدیث کس نے بیان کی اس نے پھر ان ہی دونوں حضرات کا نام لیا۔ وہ بیوقوف ان کو جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن چونکہ دینے والے حدیث میں ان دونوں حضرات کی شہرت تھی اس لئے ان کا نام لے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل۔ ہم نے تو تجھ کو یہ حدیث نہیں سنائی اور نہ کبھی خود سنی۔ اس نے کہا کہ یحییٰ بن معین تم ہی ہو انہوں نے فرمایا ماں۔ کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سے سناتا تھا کہ یحییٰ بن معین بے وقوف ہیں۔ مگر آج تجربہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھ پر کس طرح ہوا۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل تم ہی دو ہو

میں نے سترہ^{۱۶} یحییٰ بن یحییٰ احمد بن حنبل سے حدیثیں سُنی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے رنج کی وجہ سے اپنے چہرہ مبارک پر پکڑا ڈال لیا۔ اور وہ مزاق سا کرتا ہوا چلا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں وعظ پر تشدید فرما رکھی تھی۔ ابو نعیم نے کتاب الحلیہ میں زہری سے نقل کیا ہے کہ حدیث ایک شخص دو شخصوں اور تین چار شخصوں تک روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن جب حلقہ وسیع ہو جائے تو چپ ہو جا۔

خیاب بن ارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ نبیو اسرائیل کی جب ہلاکت شروع ہوئی تو وعظ کوئی شروع کر دی۔ زمین عراق کہتے ہیں کہ لغلوں کی آفات میں سے یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی بات عوام کے سامنے نقل کرتے ہیں جہاں تک ان کے ذہن نہیں پہنچتے جس سے اعتقاد فاسد ہوتے تھے۔ جب یہ سچی اور صحیح باتوں کا حال ہے تو غلط اور من گھڑت باتوں کا تو کہنا ہی کیا۔ انہی وجوہ سے علما حدیث کو موضوع روایات میں بھی کتابیں تصنیف فرمائی پڑیں۔ اور ان حضرات اسی تحقیق و تنقیح کے ساتھ موضوع روایات کو یاد فرمایا۔ اور تحریر فرمایا۔ جس طرح سچی پکٹی روایات کو تاکہ بعد کے آنے والوں کو اشتباہ نہ پڑ جائے۔

(اٹھویں وجہ) جو گدشتہ کے قریب ہی ہے یہ بھی پیش آئی کہ روایت کرنے والے خود تو معتبر تھے پکے آدمی لیکن ان کی کتابوں میں کسی معاند باطن نے کچھ تصرف کر دیا۔ جس کی وجہ سے روایات میں اختلاف پیدا ہوا۔ یہ روایت کرنے والے خود معتبر اس لئے ان کی روایات کو رد بھی نہیں کیا گیا اور اس مکر کی وجہ سے اہل روایت میں گڑ بڑی ہو گئی۔ چنانچہ اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں ان کے ربیب ابن ابی العوجا نے تصرف کیا ہے۔ اور معمر کی کتابوں میں ان کے ایک بھتیجے نے جو رافضی ہو گیا تھا۔ ایک حدیث داخل کر دی یہ وجہ اور اس نوع کی اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جو عوام کے سامنے تفصیل کے قابل نہیں۔

اس لئے کہ ان کے افہام اس سے قاصر ہیں وہ ان واقعات سے اپنی قلت فہم اور
 قصور علم کی وجہ سے مطلقاً حدیث شریف کی کتب اور روایات سے ایک بد فطنی
 کا مضمون اخذ کر لیں گے۔ اس لئے میں اس کو مختصر کرتا ہوں۔ درحقیقت نہ یہ ضامین
 ایسے عام ہیں کہ ہر شخص کے سامنے رکھے جاویں اور نہ ہر نوع کا آدمی ان کی فہم کا اہل۔
 اسی وجہ سے مشائخ نے عوام کے سامنے خاص مسائل کے تذکرہ کو بھی روک رکھا ہے
 اور ان وجوہ سے قد علم نے حدیث شریف پڑھنے کے لئے اس سے قبل اس قدر علوم
 ضروری قرار دیئے تھے جن سے اس کی استعداد حاصل ہو جاوے بالخصوص اصول فقہ
 اور اصول حدیث تاکہ بات سمجھنے اور پرکھنے کی قابلیت ہو جاوے۔ زین عراقی کا مقولہ
 میں ابھی نقل کر چکا ہوں۔ کہ وہ اعلیٰ کی آفات میں سے ہے کہ عوام کے سامنے ایسے البیان
 کرتے ہیں۔ جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اعتقاد قائم ہوتا
 ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تو کسی قوم سے ایسی حدیث
 بیان کرے جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو تو ان کے لئے فتنہ کا سبب ہوگی۔ امام
 مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے بخاری
 شریف میں امام بخاری نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی اسی قسم کا مقولہ نقل فرمایا ہے۔
 اگرچہ اب یہ امور خطرناک نہیں رہے اس لئے کہ ائمہ حدیث نے صحیح و مستقیم روایات کو چھانٹ
 دیا۔ مجبر اور غیر معتبر کو ممتاز کر دیا۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف کو
 چھ ۶۰۰۰۰ لاکھ احادیث سے اور امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے اور امام
 ابو داؤد نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا۔ تاہم میں اس دور ثانی کو اسی جگہ
 ختم کرتا ہوں اس لئے کہ مقصود اس سارے بیان سے جو ابتدائے مضمون سے یہاں
 تک بیان کیا گیا اس سے یہ دکھلانا تھا کہ روایات حدیث میں اختلاف کی وجوہ
 بہت مختلف پیدا ہوئی ہیں اور وہ علاوہ بدیہی ہونے کے قرین قیاس اور موجب
 ہیں اور ان وجوہ کثیرہ میں سے اٹھارہ وجوہ اس دور اول پر اور آٹھ اس دور میں

ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ جس قدر وسائل کی کثرت ہوتی گئی اتنا ہی اختلاف اور ضعف
 روایات میں بڑھتا گیا۔ وجہ سے امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب میں ضعیف روایات
 بہت ہی کم ہیں۔ بلکہ گویا بالکل ہی نہیں اس لئے کہ ان کا زمانہ دوسری صدی کے ختم پر
 ہے اور راقطنی کی کتاب میں بہت ہی زیادہ ضعیف روایات لگائیں اس لئے کہ ان
 کا زمانہ ان سے بہت زیادہ مؤخر ہے اور اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کا دور چوتھا کہ امام
 بخاری رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم ہے اس لئے کہ ائمہ اربعہ میں سے سب سے آخر زمانہ
 امام احمد بن حنبل کا ہے اور وہ بھی امام بخاری رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں اس لئے کہ ان
 حضرات کے دو ذمہ روایات میں اس قدر ضعف نہیں آیا تھا نہ تمنا اختلاف پیدا ہوا تھا۔
 جس قدر کہ بعد میں ہو گیا۔ بالکل ان وجوہ اختلاف اور ضعف روایات کی وجہ سے ائمہ
 فقہ و حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم دارمناہم کو ان کی تحقیق و تنقیح فرمانے کی ضرورت پیش
 آئی۔ معتبر روایات کو مقدم فرمایا، غیر معتبر اور کاذب روایات کو ساقط فرمایا۔ پھر
 معتبر روایات میں راجح اور مرجوح، مانع اور منسوخ کو جدا جدا کر دیا لیکن یہ سب امور خود
 ایسے تھے کہ ان کے درمیان میں اختلاف لازمی امر تھا۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ
 جو شخص میرے نزدیک معتبر ہو یا جو میرے نزدیک دیا تدار ہے وہ سب کے نزدیک
 ایسا ہی ہو اس بنا پر مجتہدین میں بھی اختلاف ہوا اور ہونا چاہیے تھا کہ فطری امر ہے
 اس لئے اب ہم اجمالاً ان وجوہ کا ذکر کرتے ہیں۔

تمیز اور اختلاف مذہب

اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف کی بڑی وجہ

سابقہ مضمون سے یہ امر تو واضح ہو گیا۔ کہ روایات میں نقل کرنے والے حضرات کی طرف سے کچھ تصرف پیش آیا خواہ عمدہ خواہ سہواً کہیں نقل میں غلطی ہوئی اور کہیں

فہم میں اس لئے ائمہ حدیث و فقہ کے لئے اس کی ضرورت پڑی کہ ان روایات کو مسلمہ رکھ کر ان کے درمیان میں ترجیح دیں۔ اور اپنی تحقیق کے موافق صحیح و معتبر روایات کو راجح قرار دیں۔ اور غیر صحیح کو غیر قابل عمل یہ حقیقت ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال مشکوٰۃ نبوت ہی مانو، ذہن بسا اوقات نص الفاظ سے استخراج کیا جاتا ہے۔ اور کہیں کہیں اس علت سے مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے جو شارع علیہ السلام کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کچھ اصول و قواعد کی احتیاج لا بدی ہے جس کی وجہ سے اختلاف احادیث کے درمیان میں ترجیح دی جانے لگی اور ان وجوہ میں ائمہ فقہ و حدیث کے درمیان میں اختلاف ہے یہ بحث نہایت طویل بحث ہے اصول فقہ و حدیث کی جگہ کتب حدیث سے قبل اسی کی تحقیق کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اجمالی تذکرہ ان وجوہ کا یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے وجوہ بالا کی بنا پر حدیث کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ متواتر مشہور خبر واحد متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان کے مجموعہ کا کسی کذب یا غلطی پر اتفاق ناممکن ہو جیسے بمبئی مملکت وغیرہ کے وجود کی خبریں اسی طرح نماز کی رکعات روزہ کے اعلا و غیرہ وغیرہ دوسری قسم مشہور ہے وہ بھی اسی کے قریب ہے ہیں ان دونوں قسموں سے بحث نہیں کرنی اس لئے کہ ان کے متعلق ائمہ میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں معمولی اختلاف اس امر میں ہے کہ متواتر کسے لئے کتنے عدد روایت کرنے والوں کی ضرورت ہے نیز مشہور متواتر کے حکم میں داخل ہے یا خبر واحد کے یا مستقل تیسری چیز ہے۔ ہماری بحث اس جگہ صرف خبر واحد سے ہے کہ جس کے روایت کرنے والے حد تو اتنا کہ نہ پہنچے ہوں اور جملہ روایات حدیث تقریباً اسی نوع میں داخل ہیں یہ نوع اجمالاً دو قسم پر منقسم ہے مقبول و مردود حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قسم اول یعنی متواتر کے علاوہ کہ وہ تو مقبول ہی ہوتی ہے اس کے علاوہ جتنی اقسام ہیں وہ دو قسموں میں منحصر ہیں مقبول و مردود۔ مقبول وہ ہے جس پر عمل

واجب ہو اور مردود وہ ہے جس کا معتبر ہونا غیر معتبر ہونے پر راجح نہ ہو لہذا جس حدیث میں وجوہ متعارض ہوں کہ بعض وجوہ اس کے صحیح اور معتبر ہونے کا تقاضا کرتی ہوں۔ اور دوسری بعض اس کے غیر معتبر ہونے کا وہ بھی غیر معتبر ہی میں داخل کی جاوے گی تاوقتیکہ اس کے معتبر ہونے کی وجوہ راجح نہ بن جاویں۔ اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ مردود غیر واجب العمل ہے ہی مگر مقبول بھی دو قسم پر منقسم ہے۔ واجب العمل غیر واجب العمل اس لئے کہ وہ اگر مقبول ہونے کے باوجود کسی دوسری حدیث کے ساتھ معارض ہوگئی تو پھر دیکھا جاوے گا کہ ان دونوں احادیث میں کوئی صورت جمع کی ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو نبھا جیسا کہ ان دو حدیثوں کے متعلق علمائے جمع فرمایا ہے، ایک حدیث میں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، اور دوسری حدیث میں ارشاد عالی ہے کہ کوڑھی سے ایسا بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے اور دونوں صحیح اور معتبر روایات ہیں علمائے مختلف طریقوں سے دونوں میں جمع فرمایا ہے۔ ہمیں ان اقوال کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ ہماری غرض یہ ہے کہ جمع میں اگر صورت ممکن ہے تو وہ مقدم ہوگی۔ اور اگر جمع کی کوئی صورت ان مختلف احادیث میں نہ ہو سکے تو پھر دیکھا جاوے گا کہ تاریخ کے لحاظ سے کوئی تقدم و تاخر تو نہیں اگر تحقق ہو گیا تو مؤخر پر عمل کیا جاوے گا۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر دیکھا جاوے گا کہ کوئی اور خارجی وجہ منجملہ وجوہ ترجیح کے ایسی ہے جس کی وجہ سے کسی ایک نہایت کو راجح کہا جاوے اور اگر یہ بھی نہ پایا جاوے تو پھر یہ دونوں روایتیں بھی باوجود صحیح اور مقبول ہونے کے اس تعارض کی وجہ سے انواع مردود میں داخل ہوگی یہاں پر علماء کے درمیان دو بحث طویل ہو گئے۔ اول وجوہ رد یعنی کن کن وجوہ سے حدیث کو ضعیف اور غیر معتبر سمجھا جاسکتا ہے دوسرے وجوہ ترجیح یعنی دو مختلف روایتوں کے درمیان دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود کس کس طریقہ سے ترجیح

دیجاتی ہے اور ان دو کلی بحثوں کے درمیان میں جس قدر جزوی اختلاف علماء کے درمیان میں ہو وہ قرین قیاس ہے اسی گذشتہ قاعدہ میں نظر کیجئے۔ کہ دو حدیثوں میں جب دو مضمون وارد ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر ذی علم کے نزدیک وہ دونوں متعارض ہوں بلکہ سرے سے ان کا مطلب ہی کسی مجتہد کے نزدیک وہ ہے جو دوسری حدیث کے معارض نہیں۔ اس کے بعد اگر معارضہ مان بھی لیا جائے تو ضروری نہیں کہ ہر شخص کے نزدیک ان میں جمع کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے بہت اقرب ہے کہ کسی کے نزدیک جمع کی کوئی صورت ہو سکتی ہو اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اس کے بعد یہ مان کر کہ جمع کی کوئی صورت نہیں، اس کی تحقیق میں آراء کا مختلف ہونا بدیہی امر ہے کہ کوئی حدیث ان میں سے مقدم ہے اور کوئی مؤخر۔ یہاں بھی اختلاف لا بدی ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ کسی کے پاس ایسے قرآن موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی ایک حدیث کو مؤخر اور ناسخ سمجھتا ہے اور دوسری کو منسوخ لیکن دوسرے کے نزدیک وہ قرآن اس پر دال نہیں۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ تقدم تاخر بھی محقق نہیں تو پھر اس میں بھی اختلاف لا بدی ہے کہ کسی کے نزدیک وجہ ترجیح بین الروایات کچھ ایسے امور ہیں جو دوسرے کے نزدیک نہیں جیسا کہ مختصر طور پر ہم اس کو کسی جگہ نقل کریں گے۔ اور یہی سب وجوہ اختلاف بین المجتہدین کے اسباب ہیں اور یہ سب فطری اور بدیہی امور ہیں ایک نقل کرنے والا کوئی بات نقل کرتا ہے زید کے نزدیک وہ معتبر ہے عمر کے نزدیک وہ کاذب ہے زید کے نزدیک وہ سمجھ دار ہے عمر کے نزدیک وہ بے وقوف ہے اسی طرح سے اور بہت سے اسباب ہیں تو زید کے نزدیک اس کی روایت سچی پکی اور عمر کے ناقابل التفات۔ غرض ان وجوہ سے ائمہ حدیث و فقہ کے درمیان میں بہت سی جزئیات میں اختلاف ہوا جن کو اجمالی طور سے ہم مختصراً بیان کر کے یہ دکھلانا چاہتے

کہ یہ وجوہ ہیں علماء کے درمیان میں اختلاف کی اور ان کا حل و صورتوں منحصر ہے
 یا بعد کا آنے والا اس قدر صلاحیت رکھتا ہو کہ ان کے وجوہ متعارضہ میں سے اپنے
 دل سے ترجیح دیتا ہے اور اس پر عمل کرے وہ مصیب ہے اور انشاء اللہ بخیر
 اسی کو ہم لوگ مجتہد کہتے ہیں یا وہ اس قدر استعداد اپنے اندر نہیں رکھتا کہ ان متعارض
 وجوہ متعارض اقوال و روایات کے درمیان میں ترجیح دے سکے۔ تو اس کو چلیے
 کہ کسی واقف کار کے پیچھے ہو لے یہ بھی مسئلہ ہے کہ راستہ جب مشتبہ ہو جائے
 تو اگر ماہر ہے تو خود آگے بڑھے ناواقف تو کسی کے پیچھے چلے لیکن یہ تحقیق کرنے کے
 بعد کہ جس کے پیچھے جا رہا ہے وہ خود بھی واقف ہے یا نہیں اور کہاں جاوے گا
 اور یہ صورت کہ ہر چور اپنے پر کسی ایک چلنے والے کے پیچھے ہونے والا بجز بھٹکنے
 کے اور کیا کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء تقلید شخصی کو ضروری بتلاتے ہیں اور
 تقلید غیر معین سے روکتے ہیں الغرض ان سابقہ وجوہ کی بنا پر علماء میں دو مستقل باب
 مختلف ہو گئے۔ اول وجوہ طعن کہ روایات حدیث کو کن وجوہ سے مجروح قرار دیا جاسکتا
 ہے۔ محدثین نے وجوہ طعن دس گنوائی ہیں جن میں سے پانچ راوی کی عدالت کے
 متعلق ہیں اور پانچ حافظہ کے متعلق۔ عدالت کے متعلق حسب
 ذیل جردوح ہیں۔ راوی کا کاذب ہونا یا متہم بالکذب فاسق ہونا عام ہے کہ فعللاً
 ہو یہ مثلاً زنا کار وغیرہ یا قولاً ہو جیسے غیبت کرنے والا بدعتی ہونا۔ مجہول الحال ہونا
 اور حافظہ کے متعلق پانچ جردوح حسب ذیل ہیں۔ اکثر غلط روایات نقل کر دینا
 روایات کی نقل میں غفلت کرنا۔ کسی قسم کا دہم کر دینا اور معتبر راویوں کی مخالفت کر
 دینا۔ حافظہ میں کسی قسم کی خرابی کا ہو جانا۔ اب یہ دس وجوہ علماء کے درمیان میں
 دو وجہ سے مختلف ہو گئیں اولاً یہ کہ ان وجوہ میں کسی حد تک روایات ضعیف قرار
 دی جاتی ہے مثلاً بدعتی ہونا آیا مطلقاً وجہ ضعف ہے یا جب کہ اپنی بدعت کے
 موافق روایت کرنے والا ہو اس وقت جرح ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ دوسرے یہ

کہ جس راوی کے متعلق ان دس عیوب میں سے کوئی عیب ثابت کیا جاتا ہے وہ عیب اس میں ہے بھی یا نہیں۔ مثلاً متہم بالکذب ہونا ایک شخص کے نزدیک متہم بالکذب ہے دوسرے کے نزدیک نقل کرنے والوں کی غلطی ہے وہ سچا آدمی ہے۔ اسی طرح اور درجہ میں بھی علماء حدیث و فقہ کے درمیان میں اختلاف ہوا۔ اور اس کے بعد ان دس کے علاوہ اور بھی درجہ ضعف علماء کے درمیان میں مختلف ہوئیں۔ مثلاً کسی راوی کا سند کے درمیان میں سے ساقط کر دینا کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ مطلق موجب ضعف ہے اور یہ روایت ضعیف بن گئی۔ لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک یہ قاعدہ کلی نہیں کہ جہاں کہیں راوی ساقط ہو جائے وہ روایت ضعیف بن جاوے بلکہ ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ ساقط ہونے والا کون ہے صحابی ہے یا نیچے کے درجہ کا کوئی راوی ہے اسی طرح ساقط کرنے والا خود معتبر ہے یا غیر معتبر ہے اسی طرح اور بہت سی درجہ ہیں جن کے درمیان علماء مختلف ہوئے ہیں کہ ان درجہ سے روایت میں ضعف آتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ درجہ ضعف کی ہیں لہذا ان کے نزدیک جب قدر روایات ایسی ہیں جن میں درجہ مذکورہ بالا میں سے کوئی بات پائی جاوے گی وہ روایت ضعیف ہو جائیگی اور وہ مسئلہ جو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ثابت نہیں ہوگا۔ اور جن کے نزدیک یہ درجہ موجب ضعف نہیں یا ان میں کچھ تفصیل ہے ان کے نزدیک وہ روایات جن میں درجہ بالا میں سے کچھ پایا جاتا ہے وہ ضعیف نہیں اس لئے جو مسائل ان سے معلوم ہوتے ہوں گے وہ ثابت و حجت ہوں گے۔ دل چاہتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط سے لکھا جاتا اور درجہ مذکورہ بالا میں تفصیلی گفتگو کے ساتھ یہ ظاہر کیا جاتا کہ کس درجہ میں کہ کیا اختلاف ہے لیکن علمی بحث ہونے کی وجہ سے عوام کے لئے موجب ملال و طول ہونے کی وجہ سے اس کو مختصر کر دیا مگر درحقیقت یہ علماء مجتہدین میں بڑی حد تک اختلاف کا سبب ہیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک

بعض وجہ روایات ضعف پیدا کرتی ہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں۔ اسی وجہ سے علماء اصول فقہ اصول احادیث کی کتابوں کو علم حدیث شریف سے پہلے پڑھانا ضروری خیال فرماتے ہیں کہ جب یہ اصول ذہن نشین ہو جائے کہ فلاں فلاں وجہ سے روایات متردک ہو جاتی ہیں تو پھر یہ اشکال ذہن میں نہیں رہتا کہ حدیث میں مسئلہ آجانے کے بعد پھر علماء اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں، اسی وجہ سے میرا عرصہ سے دل چاہتا ہے کہ حدیث کے تراجم پڑھنے پڑھانے والے حضرات حدیث کی کتاب سے قبل کسی اصول حدیث کی کتاب کا خلاصہ و اجمال بھی کاش پہلے پڑھا دیا کریں کہ عوام بچا رہے جو حضور کا کلام ہونے کے شوق میں ان تراجم کو پڑھتے ہیں وہ ان کو ٹپھ کر گمراہ نہ ہوں اور نہ مسائل فقہیہ سے طبیعت میں تنفر پیدا ہو نہ احادیث کی طرف سے بدگمانی خیال میں آجائے۔ دونوں امر نقصان دین کا سبب ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم اور اس سبب کے بعد اور بھی ایسی وجہ ہیں جن سے روایت مجرد ہوتی ہے تاوقتیکہ ان کا علم نہ ہو اس وقت تک بھی روایت حدیث پر عمل جائز نہیں۔ صاحب تذکرہ لکھتے ہیں:

احادیث میں جو ایک نہایت ہی دشوار اور نازک امر ہے وہ یہ کہ جعل سازوں اور داغلوں نے چونکہ بہت سی احادیث اپنی طرف سے افتر کر لیں اور ان کے علاوہ بہت معتبر اور دیانت دار راویوں سے بھی معنی حدیث کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اس لئے ائمہ مجتہدین کو احادیث کی جانچ کے لئے ایک ایک معیار قائم کرنا ضروری ہوا اور جو معیار اصول انہوں نے اس کے لئے قائم کئے وہ ان اصول کے علاوہ تھے جو عام محدثین نے حدیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث کے یعنی ان اصول عامہ کے جو محدثین کے قواعد کے موافق احادیث کی جانچ کے لئے بنائے تھے۔

مفسر ہیں۔ فقہار رضی اللہ عنہم نے احادیث کی جانچ اور ترجیح و تیسع کے لئے اصول تیلکے ہیں۔ جس کو اصول فقہ میں باب السنۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ہم مثال کے طور پر اجمالی بیان بعض اصول حنفیہ کا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حدیث پر عمل کے لئے کن امور کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے اور احادیث پر عمل کے مدعی کس قدر اس سے بے خبر ہیں۔ اہل اصول نے تصریح کی ہے کہ ان ضروریات کے علاوہ جن کا علم کلام اللہ کے لئے ضروری ہے، مثلاً یہ معلوم کرنا کہ یہ حکم خاص ہے یا عام یہ لفظ ایک معنی پر دلالت کرتا ہے یا اس کے چند معنی ہیں یہ لفظ اپنے ظاہر پر ہے یا اس کے کچھ معنی غیر ظاہر مراد ہیں یہ امر واجب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے وعید کے لئے ہے یا اجازت کے لئے غرض ان سب قواعد سے واقفیت تو ضروری ہے ہی جو کلام اللہ شریف اور احادیث کے معنی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان احکام کے بھی جاننے کی ضرورت ہے جن کا تعلق صرف حدیث شریف سے ہے۔ اور یہ احکام چار مباحث میں منقسم ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف کا ہم سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا طریق معلوم ہوتا ضروری ہے کہ احادیث کے طریق مختلف ہوتے ہیں بعض احادیث متواتر ہوتی ہیں بعض مشہور یا آحاد جن کا مختصر سا بیان ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بالجلہ حنفیہ کے اصول میں اتصال کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہیں، متواتر مشہور خبر و آحاد متواتر وہ ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا۔ مشہور وہ ہے جو طبقہ اولیٰ یعنی صحابہ کے زمانہ میں ایک دور روایت کرنے والوں سے چلی ہو اور اس کے بعد نیچے کے طبقہ میں اگر اس کے روایت کرنے والے متواتر کے درجہ تک پہنچ گئے ہوں تیسری خبر و آحاد وہ ہے جو اخیر تک متواتر کے درجہ کو نہ پہنچی ہو۔ اس تیسری قسم کی احادیث میں علماء کے درمیان اختلاف

ہے کہ یہ مطلقاً عمل کو واجب کرتی ہے یا نہیں۔ خفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ بعض صورتوں میں مطلقاً واجب کرتی ہے بعض میں نہیں۔ علماء مالکیت سے نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک خلاف قیاس اگر ہو تو موجب عمل نہیں لیکن خفیہ کے نزدیک اگر اس کا راوی فقہی ہویات کی تہ کو منہج والا ہو جیسے خلفاء راشدینؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ، عائشہ صدیقہؓ وغیرہ وغیرہ تو وہ مطلقاً موجب عمل ہوگی خواہ قیاس کے مخالف ہو یا موافق۔ اور اس کے راوی فقہائیت میں مشہور نہیں تو ان کی روایت خلاف و درایت معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ نقل کیا کہ ہر آگ کی کچی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہہ کر کہ ہم گرم پانی سے وضو کرتے ہیں کیا اس سے پھر اعادہ وضو کا کریں۔ اس حدیث کو قابل حجت قرار نہیں دیا۔ اور اگر اس کا راوی اس نوع کا ہو کہ روایت حدیث میں معروف نہ ہو تو اگر اس سے روایت کرنے والے معتبر ہوں بلا تکثیر روایت کہتے ہوں تو وہ شخص معروف ہی سمجھا جائے گا لیکن ہر راوی کے لئے چار شرطیں لازمی ہیں۔ مسلمان ہونا، صاحب عقل ہونا، حافظہ کا صحیح ہونا اور فاسق نہ ہونا پھر ان چاروں کے لئے تفصیلات ہیں جو اپنے موقع پر وضاحت سے مذکور ہیں کہ کس درجہ کا حافظہ وغیرہ ضروری ہے، مثلاً فاسق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو اور صغیرہ گناہ پر اصرار نہ ہو۔ اسی طرح ضبط کے متعلق بھی شرط ہے کہ سننے کے وقت پوری توجہ سے ایسا ہی سنا ہو جیسا کہ حق ہے اور اس کے بعد دوسرے کو پہنچانے تک اس کو یاد بھی رکھا ہو اور سننے کے وقت اس کو معنی کے لحاظ سے سمجھا بھی ہو۔

اس کے بعد دوسری بحث اس حدیث کے اتصال و انقطاع کے بارے میں

ہے۔ انقطاع کی اہل اصول نے دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک انقطاع ظاہری کہ مسئلہ کے درمیان سے کوئی واسطہ چھوٹ گیا ہو عام ہے اس بات سے کہ وہ واسطہ صحابی کا چھوٹا ہو یا غیر صحابی کا ائمہ کے درمیان میں اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کس صورت میں یہ حدیث قابل استدلال ہوگی اور کس صورت میں نہیں دوسرا انقطاع باطنی ہے حقیقت میں اس کو انقطاع سے تعبیر کرنا یہ باریک بینی کی وجہ سے اور حدیث نبوی کے ساتھ غایت درجہ احترام ہے ورنہ ظاہری نظر میں یہ انقطاع نہیں اس وجہ سے دیگر ائمہ فقہ و اصول اس نوع کو انقطاع سے تعبیر نہیں کرتے بالجملة یہ مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ مخالفت کتاب اللہ اس کی مثال اہل اصول لا صلوة الا بفاتحة الكتاب کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ کے جائز نہیں بتلاتے ہیں۔ کہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ شریف کی آیت فاقروا ما تيسر من القرآن کے عموم کے خلاف ہے اس لئے اہل اصول کے نزدیک اس میں کسی قسم کا انقطاع باطنی پیش آیا۔ دوسرے یہ کہ کسی مشہور حدیث کے خلاف ہو جیسے کہ حدیث القضاء بشاہد و یبین یعنی ایک گواہ کی صورت میں دوسرے گواہ کے بالعوض قسم لے لی جاوے اور ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کر دیا جائے اور یہ حدیث مشہور البینۃ علی المدعی والیمین علی ما انکر کے خلاف ہے اس لئے حجتہ نہیں اسی طرح کسی حادثہ مشہورہ میں جو کثیر التفرع ہو اس میں ایک آدمہ راوی کا کسی امر کو ذکر کرنا اور بقیہ کو ذکر نہ کرنا بھی اس کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی گڑبڑی پیش آئی۔ اسی طرح صحابہ کے زمانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق صحابہ کا رد و قدح کے بعد اپنے اجتہاد سے حکم فرمانا اور اس حدیث سے استدلال نہ فرمانا بھی جبروح میں سے ہے اسی طرح کسی راوی کا اپنی مردی حدیث سے انکار کر دینا یا اس حدیث کے خلاف عمل کرنا یا فتویٰ دینا بھی روایت کی جبروح میں سے ہے اس بحث کو زیادہ

طویل کرنا نہیں چاہتا اہل اصول نے نہایت مفصل وضاحت سے ان امور کو
 مدلل بیان فرمایا ہے جس کا دل چاہے ان کی تالیفات میں دیکھے میرا مقصد یہ ہے
 کہ جلد ائمہ کے نزدیک خواہ وہ قبیلہ فقہار سے ہوں یا قبیلہ محدثین سے انرا
 حدیث کے لئے کچھ اصول اور قواعد میں جن سے حدیث کا معیار اس کا درجہ
 اس کا واجب العمل ہونا پرکھا جاتا ہے اور انہی قواعد کے اختلاف کی وجہ سے
 ائمہ کے درمیان میں بہت سی روایات کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ بعض ائمہ
 ایک حدیث پر عمل ضروری خیال فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کی تنقید میں وہ حدیث
 معیار کے موافق اتری ہے دوسرے بعض ائمہ اس کو قابل ترک فرماتے ہیں اس
 لئے کہ ان کے تبصرہ میں حدیث حجتہ و اعتبار کے درجہ کو کسی وجہ سے نہیں پہنچی ان
 دونوں میں فیصلہ وہ شخص کر سکتا ہے جو دونوں کے اصول استفادے کا حصہ
 واقف ہو اور جو دونوں سے بے بہرہ ہو اور کہ خود گم است کر اور رہبری کند نہ
 حقیقہً ان غیر مقلدین سے ہمیشہ تعجب رہا جو واقف ہو کر عوام کو اس عنوان سے
 بہکاتے ہیں کہ مقلدین ائمہ کے مقابلہ میں حدیث کی پروردہ نہیں کرتے عوام غیر مقلدین
 ان سے خود ناواقف ہیں ان کی شکایت نہیں اہل علم کی شکایت ضرور ہے کہ وہ
 ان امور سے واقف ہو کر کتمان کرتے ہیں اور واقعی بات پر پردہ ڈال کر خلقت
 کو دھوکا دیتے ہیں ائمہ کی شان بہت اعلیٰ ہے یہ امر تو عام مسلم سے بھی کبھی گوارا
 نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے سلسلے نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مقابلہ میں کسی بڑے
 بڑے کا قول بھی مننے کے لئے تیار ہو جائے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ احادیث کا
 جمع ان کی ترجیح ان کی تطبیع ان امور میں ہمعصر علماء کے بالمقابل ائمہ کا قول ان کی
 تحقیق ان کی ترجیح مقدم اور ضروری ہے جس سے انکار ظلم اور تعدی ہے بالجلہ
 ائمہ کے درمیان میں اختلافی بڑی وجہ روایات کے درمیان میں ترجیح ہے کہ
 مختلف روایات میں سے ایک امام کے نزدیک بعض روایات راجح ہیں اور دوسرے

کے نزدیک دوسری روایات رائج ہیں جس ایک فریق کے نزدیک ایک نوع کی روایات رائج ہوئی ہیں اس کے نزدیک دوسری روایات جو اس حکم کے مخالف ہیں مخرج ہیں غیر ثابت ہیں، مؤفل ہیں جن لوگوں نے ایسی کتب کا مطالعہ کیا ہے جو اختلاف ائمہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں جیسے میزان شعرانی، کتاب المغنی بدایۃ المجتہد کشف الغمہ وہ اس حقیقت سے بہت زیادہ واقف ہیں کہ ائمہ کے مدارک اقوال کے مأخذ سب مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں صرف علتہ واستخراج مسائل کا فرق ہوتا ہے مثال کے لئے ہم بدایۃ المجتہد کی ایک فصل کے کچھ حصہ کی تلخیص ذکر کرتے ہیں جس سے اس امر کی توضیح ہوگی کہ حقیقتاً ماخذ ائمہ کے اقوال کے آیات واحادیث ہی ہیں البتہ طریق استنباط مختلف ہوتا ہے۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ لواقض وضوء میں اصل باری تعالیٰ کا قول ہے اوجاء احدکم من الغائط او لمستم النساء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لا یقبل اللہ صلوٰۃ من احدث حتی یتوضاء۔ اس باب میں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بول دربار ریج مذی ددی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بوجہ روایات داردہ کے اور اس باب میں سات مسائل جو بمنزلہ قواعد کلیہ کے ہیں مختلف ہیں۔

اول ان اشیا میں اختلاف ہے جو سبیلین کے علاوہ بدن انسانی سے کوئی نجس خارج ہو اور علماء کے اس میں تین اقوال ہیں جن لوگوں نے آیت بالا میں خروج نجس کو علتہ نقض قرار دیا ان کے نزدیک بدن کے جس حصہ سے بھی خروج نجس ہو گا وہ ناقض وضوء ہو گا اس لئے علت نقض پانی گئی اور یہ لوگ امام ابو حنیفہ اور ان کی جماعت اور امام ثوری امام احمد بن حنبل ہیں اور ان سے قبل صحابہ کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان کے آثار ان کے شاہد ہیں ان حضرات کے نزدیک ہر نجس کا خروج خواہ بدن کے کسی حصہ سے ہو ناقض وضوء ہے

جیسے خون نکیر فصدتے وغیرہ۔

دوسرا قول دوسرے ائمہ کا ہے انہوں نے آیت بالایں نقص وضو کی علت خروج من السبیلین قرار دی ان کے نزدیک سبیلین سے جو کچھ بھی نکلے خواہ دم یا نکلے اور جس طرح بھی نکلے مرض سے یا صحت سے ناقض وضو ہو گا غیر سبیلین کے خارج کا یہ حکم نہیں یہ لوگ امام شافعی صاحب اور ان کی جماعت ہیں۔

تیسری وہ جماعت ہے جنہوں نے خارج اور محل خروج دونوں کا اعتبار کیا وہ فرماتے ہیں سبیلین سے جو مقدار چیز خارج ہو جیسے پیشاب مذی وغیرہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو غیر مقدار خارج ہو جیسے کیرا خون وغیرہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس قول کے قائل امام مالکؒ اور ان کے مہنوا ہیں اب اسی ایک آیت سے ائمہ اربعہ نے استدلال استنباط فرمایا لیکن چونکہ علت ناقض وضو میں جملہ حضرات کا اختلاف تھا اس لئے حکم میں بھی اختلاف ہوتا رہا۔ اور ان ہی اصول کی بنا پر اب آثار و روایات میں بھی اختلاف ہوا امام ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک چونکہ آیت میں اگرچہ خاص ماخرج من السبیلین کا حکم ہے لیکن یہ ایک تمثیل ہے اور حکم عام ہے اس لئے مستحاضہ وغیرہ کی ان روایات میں جن میں مستحاضہ کے لئے وضو کا حکم ہے اس سے ان حضرات نے تائید پکڑ لی اور امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ یہ حکم خاص تھا لہذا مستحاضہ کی ان روایات میں جن میں وضو کا حکم وارد ہوا تھا انہوں نے کلام فرمایا اور اس زیاتی وضو کو غیر ثابت غیر مقبر قرار دیا۔

اسی طرح دوسرا مسئلہ نوم کا ہے کہ علماء کے اس میں بھی تین مذہب ہیں۔ بعض نے نوم کو مطلقاً ناقض وضو فرمایا اور دوسرے بعض حضرات نے مطلقاً غیر ناقض وضو فرمایا اور تیسری جماعت نے تفصیل فرمائی کہ بعض انواع نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور بعض کو نہیں۔ یہ کیوں ہوا اس لئے کہ باب نوم میں دو طرح کی روایا

دارد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم ناقض نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا حتیٰ کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی آواز خراٹوں کی سنی اور پھر حضور نے اٹھ کر نماز پڑھ لی اور وضو نہیں فرمایا۔ اسی طرح ایک روایت میں وارد ہوا کہ بعض صحابہ مسجد میں بیٹھے ہوئے نماز کے انتظار میں اذنگھنے لگتے تھے اور پھر نماز پڑھ لیتے تھے لیکن دوسری روایات اس کے خلاف ہیں مثلاً صفوان بن عسال نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا پیشاپ پاخانہ یا نوم کی وجہ سے موزہ اتارنے کی ضرورت نہیں مسح کافی ہے البتہ جنابت کی حالت میں مسح کافی نہیں ایسے ہی ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ وضو اس پر واجب جو لیٹ کر سوئے وغیرہ وغیرہ علما نے ان دونوں قسموں کی روایات میں دو طریق اختیار فرمائے۔ بعض حضرات نے ترجیح کو اختیار کیا اور اس میں پھر دو طریق ہو گئے کہ ایک گروہ نے اول نزاع کی احادیث کو راجح سمجھا اور اس کی وجہ ترجیح ان کو زیادہ ملی انہوں نے دوسری قسم کی روایات کو مرجوح قرار دیا اور دوسروں نے اس کا عکس کہا اور تیسرے فریق نے دونوں کو راجح سمجھا کسی ایک کی خاص طور سے ترجیح کی وجہ ان کو نہ ملیں۔ انہوں نے دونوں کے درمیان جمع فرمایا اور نوم کی اقسام میں تفریق فرمائی کہ ایک قسم نوم کو ناقض وضو قرار دیا اور دوسری قسم کو ناقض نہیں سمجھا۔

اسی طرح تیسرا مسئلہ عورت کو پھونے سے وضو ٹوٹنے کا ہے ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اگر عورت کو ہاتھ سے بلا کسی حائل کے چھو دے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، دوسری جماعت کی متفق ہے کہ یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس کے ساتھ لذت کی بھی تید ہے کہ اگر لذت سے ہاتھ لگائے گا تو وضو ٹوٹ جاوے گا ورنہ نہیں، تیسری جماعت کی تحقیق ہے کہ ہاتھ سے پھونے سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں صحابہ

رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا اور اسی وجہ سے صحابہ تو راہین کی جماعت میں بھی تینوں مذاہب کے قائل ملتے ہیں، ائمہ میں پہلا قول امام شافعی کا ہے دوسرا طریق امام مالک رضی اللہ عنہ کا مختار ہے اور تیسرا مسلک امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ان حضرات کے اختلاف کا مبنیٰ لفظ مس کا مشترک المعنی ہونا ہے کلام اللہ شریف میں اول المستم النساء وارد ہوا ہے، اور کلام عرب میں مس کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے صحت اور جوارح کرنے میں بھی بولا جاتا ہے۔ اور ہاتھ سے چھونے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اس بنا پر ائمہ کے درمیان میں اختلاف ہوا ایک جماعت کے نزدیک اس سے جوارح کرنا مراد ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ آیت وضو توڑنے والی چیزوں کو شامل ہی نہیں۔ یہ امام اعظم کا مسلک ہے، دوسرے حضرات کے نزدیک وضو توڑنے کا بیان ہے اور مس سے مراد چھونا ہے ان کے نزدیک آیت سے وضو توڑنے کا حکم معلوم ہوا، لیکن ان حضرات میں پھر یہ اختلاف ہوا کہ یہ حکم عام ہے یا کسی قید کے ساتھ مقید ہے حضرات شافعیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مطلق ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں اس لئے ان کے نزدیک اس سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مقید ہے ایک اور قید کے ساتھ وہ یہ کہ لذت سے چھوا ہو ان سب حضرات کے نزدیک اس امر کے لئے آثار و قرائن بھی موجود ہیں اور ان آثار و قرائن ہی کی بنا پر وہ حضرات اس آیت کے معنی متعین فرماتے ہیں مثلاً امام مالک اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کے نزدیک منجملہ اور بہت سے قرائن کے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق سے یہ بات ثابت ہے کہ بسا اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نماز یا غیر نماز کی حالت میں حضرت عائشہؓ کو لگ جاتا تھا اور حضور وضو نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ اندھیرے میں نماز تہجد ادا فرما رہے تھے کہ چراغ وغیرہ کا

اس زمانہ میں دستور نہ تھا مسجدہ کو جاتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو قریب ہی سو رہی تھیں ان کا پاؤں سامنے آگیا تو حضورؐ نے نماز ہی کی حالت میں اس کو ہٹا دیا اس سے معلوم ہوا کہ صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن ہر طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا یا کسی خاص چھونے سے مالکیہ کے نزدیک بلا شہوت سے نہیں ٹوٹتا اور خنفسیہ کے نزدیک عام ہے کسی طرح کے چھونے سے نہیں ٹوٹتا کیوں! اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل فرماتی ہیں کہ حضورؐ بعض مرتبہ کسی بیوی کو پیار کرتے اس کے بعد بلا وضو فرماتے نماز ادا فرماتے۔ یہ چھوना لا محالہ شہوت اور عمل شہوت کا ہے اس لئے بیوی کو پیار یا بالعموم بلا شہوت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح سے ائمہ کے درمیان میں اختلاف ہوتا ہے وہ حقیقتہً اس اختلاف آثار و روایات پر متفرع ہوتا ہے جس کو میں سابقہ مضمون میں مفصل نقل کر چکا ہوں اور اس کے ساتھ اختلاف وجوہ ترجیح اور وجوہ ضعف روایات مزید برآں ہیں۔

الحاصل ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ روایات حدیث کے نقد و تبصرہ پر متفرع ہے کہ مختلف اسباب ضعف کی بنا پر ایک روایت کسی امام کی تحقیق میں سچی ثابت ہوئی اس کے نزدیک وہ واجب العمل اس سے جو حکم ثابت ہوتا ہو وہ واجب العمل دوسرے امام کے نزدیک وہ روایت معیار صداقت میں درجہ کمال کو نہیں پہنچی اس وجہ سے اس کے نزدیک اس سے حکم شرعی کا ثبوت دشوار۔ اور حقیقتہً یہ اختلاف اپنے محل پر ہے بدائتہ عقل اس کی نقد ہی کرتا ہے اس لئے کہ جب روایات حدیث کی صحت و سقم کا مدار رواۃ کے احوال پر ہے اور روایت کے احوال میں اختلاف تحقیق یعنی تو روایات حدیث پر عمل میں اختلاف بھی یعنی اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو چند طبیعوں کے درمیان ہو کہ ایک حکیم کے نزدیک اس کا مرض نہایت خطرناک دوسرے کے نزدیک معمولی اور تیسرے

کے نزدیک بیمار کا دھم ہی اس کی بیماری کا سبب ہے در نہ وہ تندرست ہے
 اسی طرح ایک رادی بعض اہل نظر کے نزدیک ایک غیر معتبر اور مطعون ہے دوسرے
 کے نزدیک ایماندار سچا پکا تو اسی حالت میں نہ ان اطباء پر حملہ کیا جاسکتا ہے اور
 نہ ائمہ جرح و تعدیل پر بلکہ بیمار کے تیمارداروں سے یا احادیث و شریعت کے
 پیروں سے یہی کہا جاوے گا کہ تمہاری نگاہ میں جس شخص کی تحقیق پر اعتماد ہو
 اس کے ساتھ ہو تو حق سبحانہ مدد فرمادیں نہ یہ کہ معیون مرکب بنا کر سب کا
 استعمال شروع کر دیا جاوے، ائمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ ناقدین حدیث
 کی مثال صراف کی سی ہے کہ سونے کو دیکھ کر فوراً ٹاٹ جاتا ہے کہ کھرا ہے یا
 کھوٹا حافظ ابن حجر شرح منہج میں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ دقیق بحث معلل کی ہے اس
 کا ماہر وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ روشن فہم اور وسیع حافظہ عطا
 فرمادیں نیز رواۃ کے درجہ اور رتبہ کی معرفت اور مکملہ قویہ اسانید اور متون میں
 پیدا ہو گیا ہو اسی وجہ سے ائمہ حدیث میں سے بہت ہی قلیل جماعت نے اس
 میں لب کشائی فرمائی ہے، جیسے علی بن المدینی امام احمد بن حنبل بخاری و ترمذی
 وغیرہ میں اس کے بعد کہتے ہیں کہ حدیث میں علت بیان کرنے والے کی عبارت
 بسا اوقات اس سے قاصر ہوتی ہے کہ وہ اس پر حجتہ و دلیل قائم کر سکے جیسے کہ
 صراف در اہم دنا نیر کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علامہ سیوطی تدریب میں لکھتے ہیں۔
 کہ انواع حدیث میں سے اٹھارہ میں قسم معلل ہے یہ نوع حبلہ انواع میں جلیل
 و دقیق ہے۔ اور اشرف انواع میں شمار ہوتی ہے وہی لوگ اس پر قابو پا سکتے
 ہیں جن کا حافظہ اور جانچ کامل ہو۔ حاکم کہتے ہیں کہ حدیث بسا اوقات معلل
 ہو جاتی ہے اور ظاہراً کوئی حرج اسمیں معلوم نہیں ہوتی اور حجت تعلیل
 میں ہم لوگوں کے نزدیک حافظہ ہم اور حدیث کی معرفت ہے اور کچھ نہیں۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کی علت معلوم ہو جاوے وہ اس سے بہتر ہے کہ دس احادیث جدید حاصل کروں علامہ نووی کہتے کہ علت حدیث اس باریک عیب کو کہتے ہیں جو غفی ہو ظاہر حدیث میں کوئی جرح نہیں ہوتی مگر حقیقتاً اس میں کوئی باطنی جرح ہوتی ہے جو کبھی مفرد راوی سے معلوم ہو جاتی ہے اور کہیں روایت کی مخالفت سے اور اس کے ساتھ کچھ اور قرائن منضم ہو جاتے ہیں جس کو اہل فن معلوم کر سکتے ہیں۔ ابن مہدی سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو معطل کہہ دیتے ہو بعض کو صحیح یہ کس طرح معلوم کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ اگر ضراف کے پاس تم کچھ دراہم لے کر جاؤ اور وہ بعض کو کھوٹا بتلا دے اور بعض کو عمدہ تو اس سے بھی پوچھتے ہو کہ کس دلیل سے پہچانا۔ حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ساتھ کثرت مدارست اور ہر قوت کی چھان بین سے یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے ابو زرہ سے کسی نے پوچھا کہ تم بعض احادیث کو کھوٹی بتلا دیتے ہو اس پر کیا دلیل ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کسی حدیث کو پوچھو اور جب میں کھوٹی بتلا دوں تو ابن دارہ سے پوچھو اور پھر ابو حاتم سے پوچھو اگر سب ایک ہی بات کہیں تو حقیقت سمجھ لو گے چنانچہ انہوں نے اس کا تجربہ کیا تو ایسے ہی ملا۔ مجھے ان اقوال کا احاطہ مقصود نہیں۔ علم حدیث سے مدارستہ رکھنے والے اس کو خوب جانتے ہیں، میرا مقصود اس امر کو واضح کرنا تھا کہ ائمہ کا اختلاف اول روایات و آثار کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے جو سابقہ مباحث میں گذر چکے اور اس کے ساتھ ان کی تصحیح و تصنیف میں اختلاف جو بدیہی اور فطری ہے۔ مزید براں اس زمانہ میں چونکہ علم سے شناسائی جاتی رہی اس وجہ سے عوام کو چھوڑ کر بہت سے ناقص العلم مدعی فضل و کمال اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ائمہ کے اجتہادات آپس میں مخالف ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ائمہ اپنی طرف سے بلا دلیل اور بلا کسی ماخذ کے اجتہاد کر لیتے ہیں بلکہ

غالب حصہ مشکوٰۃ نبوت ہی سے مستنبط ہو رہا ہے اور وجہ استنباط مختلف ہوتے ہیں، بالجملة ائمہ کے درمیان میں اختلاف کی بڑی وجہ ان روایات کا درجہ ہے جن میں احکام وارد ہوئے ایک امام کے نزدیک ایک روایت جو کسی حکم کو شامل ہے وہ صحیح ہے معتبر ہے دوسرے امام کے نزدیک دوسری روایت جس میں اس کے خلاف حکم ہے وہ صحیح اور معتبر ہے اور جبکہ ائمہ فقہ خود بمنزلہ طبیب اور صراف کے ہیں روایات پر قبول اور رد کا حکم لگانا ان کا کام ہے اس پر یہ جرح یا اشکال کرنا کہ فلاں امام نے اس روایت کو کیوں معتبر نہیں سمجھا حماقت اور جہالت ہے اس لئے آج تیرہ سو برس بعد نہ یہ معقن متعین کہ ائمہ کے پاس روایات ان اسانید سے پہنچیں جو ہمارے سامنے ہیں اور نہ یہ کہ ائمہ کے نزدیک یہی وجہ جرح ہیں جو ہمارے نزدیک ہیں یا بخاری مسلم نے تحریر فرمادی ہیں بالخصوص جب کہ ائمہ اربعہ کا درجہ رتبہ زمانہ سب کچھ بخاری مسلم سے مقدم ہے اور جب ان سے مقدم ہے تو پھر ان کے بعد والے ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ کا کیا کہنا اور اس کے بعد ان کے بھی پیچھے آنے والے دارقطنی بیہقی وغیرہ کا تو ائمہ کے سامنے ذکر ہی کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سب حضرات کو بھی باوجود اپنی جلالت شان اور ائمہ حدیث ہونے کے فقہ میں تقلید بغیر چارہ نہیں ملا اور نہ ہو سکتا ہے کہ روایت حدیث کے الفاظ نقل فرمادینا، اس کے طرق محفوظ فرمالینا امر آخر ہے اور اس سے مسئلہ کا استنباط اور فقہی حیثیت سے اس پر عمل امر آخر ہے۔

اس کے بعد دوسرا اختلاف ائمہ فقہ میں وجہ ترجیح میں ہوا ہے اس کا بیان اگر مجملاً پہلے آچکا ہے مگر چونکہ یہی درحقیقت ائمہ کے مابین اختلاف کی بڑی وجہ ہے اس لئے اجمالی گفتگو اس پر مستقل کرنی بھی ضروری ہے ائمہ کے درمیان میں روایات کو صحیح مان کر وجہ ترجیح میں بھی اختلاف ہے یعنی دو مختلف مضمون کے درمیان میں وجہ ترجیح کیا کیا ہو سکتی ہے، یہ بیان بھی بہت طویل ہے اور ائمہ

اربعہ کی کتب دیکھنے سے اس کی تفصیلی حقیقت واضح ہوتی ہے تشیل کے طور پر
 مختصر عرض کرتا ہوں سفیان بن عیینہ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور ازاعی
 کا اجتماع مکہ کے ایک بازار میں ہوا، امام ازاعی نے امام صاحب سے سوال کیا
 کہ تم لوگ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں
 نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 تک اس کا ثبوت صحت کے درجہ میں نہیں پہنچا ازاعی نے زہری عن سالم عن
 ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیه اذا فتح
 للصلوۃ وعن الركوع وعند الرفع منہ یعنی زہری سالم سے نقل
 کرتے ہیں اور وہ ابن عمر سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے
 ہوئے اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین فرماتے
 تھے۔ امام صاحب نے اس کے جواب میں حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن ابن
 مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوۃ
 الحدیث پڑھ کر سنائی یعنی حماد ابراہیم سے اور وہ علقمہ اور اسود سے اور وہ
 دونوں عبد اللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب
 نماز پڑھتے تھے تو رفع یدین صرف تکبیر تحریرہ کے وقت فرماتے تھے اس پر
 ازاعی نے کہا کہ میں زہری عن سالم کی سند بیان کرتا ہوں یعنی جس میں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہی واسطے ہیں اور تم چار واسطے والی سند حماد
 عن ابراہیم نقل کرتے ہو امام صاحب نے فرمایا کہ حماد زہری سے زیادہ قوی
 ہیں، اور ابراہیم سالم سے زیادہ اور علقمہ بھی ثقاہت میں ابن عمر سے کم نہیں،
 اور اگر ابن عمر کو صحابی ہونے کی فضیلت حاصل ہے تو علقمہ کو اور بعض فضائل حاصل
 ہیں، اور عبد اللہ بن مسعود کا تو پوچھنا ہی کیا اس پر ازاعی کو سکوت کرنا پڑا۔ ابن عمر
 ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ میں کسی امر میں تعارض ہوتا

میرا مقصود اس مناظرہ کے ذکر کرنے سے ان دونوں حضرات کی وجہ ترجیح کو بتلانا ہے کہ اذاعی کے نزدیک اور بھی حضرات شافعیہ کا بھی مسلک ہے کہ سلسلہ سند کے کم ہونے سے ترجیح روایت کو حاصل ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک روایت کرنے والوں کے فقیہ ہونے سے ترجیح ہوتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک وجہ ترجیح میں سے اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جب روایات کے درمیان تعارض ہوتا ہے تو یہ فقیہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور قرین عقل بھی ہے کہ جس قدر آدمی سمجھ دار ہوگا اسی قدر بات کو علی وجہ الام نقل کر سکتا ہے اسی طرح سے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل کسی روایت کے موافق ہونا اس کی ترجیح کی وجہ ہوتی ہے یعنی جب کہ در روایتوں میں تعارض ہو تو جس حدیث کے موافق اہل مدینہ کا عمل درآمد ہوگا وہ اس کو راجح قرار دیں گے چنانچہ مؤطا امام مالک کے دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے ابن عربی مالکی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں :

کہ امام مالک کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اہل مدینہ میں مشہور ہوتی ہے تو وہ سند کی تنقیح سے مستغنی ہوتی ہے جن وجوہ سے روایات کے درمیان میں ترجیح ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔ حازمی نے کتاب النسخ والمنسوخ میں پچاس وجوہ ترجیح بتلائی ہیں جن کی بنا پر دو روایتوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح ہوتی ہے اور عراقی نے کتاب النکت میں ستر سے زیادہ بتلائی ہیں یہ سب وجوہ ائمہ کے درمیان میں متفق علیہ نہیں عمل بالحدیث کرنے والے کا بڑا فرض ہے کہ ان سب کی تحقیق کرنے کے بعد یہ دیکھے کہ کون سی روایت میں وجہ ترجیح زیادہ پائی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو دوسری متعارض روایات پر ترجیح دے سکے اسی وجہ سے حنفیہ ان روایات کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو قوۃ سند یا علو سند کے لحاظ سے

زیادہ رائج نہیں ہوتیں کیوں؟ اس لئے کہ انہیں اس سے زیادہ قوی وجہ ترجیح پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حنفیہ کے نزدیک کسی مضمون حدیث کا ادق بالفاظ القرآن ہونا قوی تر وجہ ترجیح میں سے ہے اور یہ امر نہایت بدیہی ہے اس لئے کہ الفاظ حدیث کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونا یقینی نہیں روایات کا بالمعنی حدیث نقل کرنا پہلے بیان کیا جا چکا اور الفاظ قرآنی کا بلفظ منقول ہونا قطعی ہے اس لئے مختلف روایات کے مضمون میں جو مضامین الفاظ قرآنیہ سے زیادہ قریب معلوم ہونگے اس کا رائج ہونا یقینی اور بدیہی امر ہے۔ اسی وجہ سے حنفیہ رفع یدین کی روایات کے درمیان میں ان روایات کو رائج قرار دیتے ہیں جو عدم رفع پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے کہ کلام مجید میں وقوموا للّٰہ قانتین وارد ہوا ہے اور اس کے معنی رائج قول کے موافق ساکنین کے ہیں اس بنا پر جتنی مختلف روایات ایسی ہوں گی جن میں سے ایک سکون کے قریب ہو وہ حنفیہ کے نزدیک رائج ہوگی اور واقعات سے اس کی شہادت اور تائید ملتی ہے کہ بالاتفاق نماز میں اول اول بہت سے اعمال مثلاً بولن بات کرنا وغیرہ وغیرہ جائز تھے پھر رفتہ رفتہ سکون کی طرف انتقال ہوا اس لئے ہر وہ متعارض روایات میں سے جو بھی روایت سکون کے قریب ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک وہ رائج ہوگی اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قرآنہ خلف الامام کی متعارض روایات میں وہ روایات رائج ہیں جو عدم قرآنہ پر دلالت کرنے والی ہیں اس لئے کہ وہ آیت قرآنی واذا قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے اقرب ہیں اسی وجہ سے احناف کے نزدیک صبح کی نماز اور عصر کی نماز میں تاخیر اولیٰ اور افضل ہے اس لئے کہ وہ آیت قبل طلوع الشمس و قبل غروب بھا کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل اسی وقت بولا جاتا ہے جب کہ اس کے قریب ہو، اس لئے کہ غروب سے تین چار گھنٹہ قبل

کو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں اس سے قبل پہنچ جاؤں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ خضیہ نے وتر کے قنوت میں اللھم انا نستعینک الخ اس دعا کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ قرآن شریف کی دوسری بتائی جاتی ہیں اس کی نہراں مثالیں موجود ہیں جن کو تطویل کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے، مگر عمل بالحدیث کے لئے وجوہ ضعف روایات اور وجوہ ترجیح کا معلوم کرنا نہایت ہی اہم ہے۔ بدون اس کے عمل بالروایات ممکن ہی نہیں۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اصول ائمہ کی تلخیص اور وجوہ ترجیح جمع کرتے شروع کئے تھے۔ مگر وقت نے اس کی تکمیل کی مساعدا نہ کی۔

واللہ الموفق۔

حضرت شیخ ارشد فرماتے ہیں

یہ مضمون کچھ اس سے زائد بھی لکھا گیا تھا مگر اس وقت مسودہ اتنے ہی کا ملا اس کے بعد اسباب کی نامساعدت سے رسالہ ”المظاہر“ ہی بند ہو گیا۔ احباب کا بہت ہی شدید اصرار اس کی تکمیل کا رہا، اور میری بھی خواہش رہی اس لئے کہ جو مضامین اس وقت میرے ذہن میں تھے وہ بہت ہی طویل و مبسوط تھے۔ میرا اندازہ اس وقت چار سو پانچ سو صفحات لکھنے کا تھا مگر اس کے بعد مشاغل کے هجوم نے اس کی تکمیل کی نوبت نہ آنے دی اور مجھے اس کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس کی طباعت کا بھی واسطہ نہیں ہوا، اگرچہ بہت سے احباب نے اصرار کئے مگر میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ وہ تو ابتدائی اور ناقص مضمون ہے۔ لیکن میرے ۱۳۹۰ھ کے سفر حجاز میں عزیز شاہد سلمہ نے ان پریشان اوراق کو نامعلوم کہاں سے تلاش کر لیا، ابھی اس کے ۱-۲ جز اور لکھے ہوئے باقی ہیں جو نہیں ملے اس نے اس کی طباعت پر اصرار کیا اور کہا اتنا بھی ضروری اور بہت مفید ہے، اور میرے مخلص احباب مفتی محمود صاحب، مولوی یونس صاحب، مولوی عاقل صاحب، مولوی سلمان صاحب وغیرہ سب ہی نے اس کی طباعت پر زور دیا۔ اس لئے میں نے عزیز موصوف کو اس کی طباعت کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی اور پڑھنے والو کو بھی فائدہ پہنچائے۔

محمد زکریا